हमारी उर्दू - कक्षा 9

ہماری اردو

برائے درجہ نہم

حکومت نیپال

وزارت تعلیم، سائنس و ٹیکنالوجی

مرکز برائے فروغ نصاب تعلیم

سانو ٹھیمی، بھکت پور

نام کتاب : ہماری اردو برائے درجہ نہم

उर्दु भाषा

कक्षा ९

नेपाल सरकार

शिक्षा, विज्ञान तथा प्रविधि मन्त्रालय

पाठ्यक्रम विकास केन्द्र

सानोठिमी, भक्तपुर

प्रकाशक : नेपाल सरकार

शिक्षा, विज्ञान तथा प्रविधि मन्त्रालय

पाठ्यक्रम विकास केन्द्र

सानोठिमी, भक्तपुर

© सर्वाधिकार पाठ्यक्रम विकास केन्द्र

यस पाठ्यपुस्तकसम्बन्धी सम्पूर्ण अधिकार पाठ्यक्रम विकास केन्द्र सानोठिमी, भक्तपुरमा निहित रहेको छ । पाठ्यक्रम विकास केन्द्रको लिखित स्वीकृतिबिना व्यापारिक प्रयोजनका लागि यसको पूरै वा आंशिक भाग हुबहु प्रकाशन गर्न, परिवर्तन गरेर प्रकाशन गर्न, कुनै विद्युतीय साधन वा अन्य प्रविधिबाट रेकर्ड गर्न र प्रतिलिपि निकाल्न पाइने छैन ।

प्रथम संस्करण : वि.सं. २०८१

मुद्रण :

मूल्य :

पाठ्यपुस्तकसम्बन्धी पाठकहरूका कुनै पनि प्रकारका सुझावहरू भएमा पाठ्यक्रम विकास केन्द्र, समन्वय तथा तथा प्रकाशन शाखामा पठाइदिनुहुन अनुरोध छ । पाठकबाट आउने सुझावहरूलाई केन्द्र हार्दिक स्वागत गर्दछ ।

हाम्रो भनाइ

विद्यालय तहको शिक्षालाई उद्देश्यमूलक, व्यावहारिक, समसामयिक र रोजगारमूलक बनाउन विभिन्न समयमा पाठ्यक्रम, पाठ्यपुस्तक विकास, परिमार्जन तथा अनुकूलन गर्ने कार्यलाई निरन्तरता दिइँदै आइएको छ । विद्यार्थीमा राष्ट्र तथा राष्ट्रियताप्रति एकताको भावना उत्पन्न गराई नैतिकता, अनुशासन र स्वावलम्बन जस्ता सामाजिक एवं चारित्रिक गुणको विकास गराइन्छ । आधारभूत भाषिक सिपको विकास गरी विज्ञान, सूचना प्रविधि, वातावरण र स्वास्थ्यसम्बन्धी आधारभूत ज्ञानको विकास गराइन्छ । जीवनोपयोगी सिपका माध्यमले कला सौन्दर्यप्रति अभिरुचि जगाउनु, सिर्जनशील सिपको विकास गराउनु र विभिन्न जातजाति, लिङ्ग, धर्म, भाषा, संस्कृतिप्रति समभाव जगाई सामाजिक मूल्य मान्यताप्रतिको सहयोगात्मक र जिम्मेवारीपूर्ण आचरण विकास गर्नु आजको आवश्यकता बनेको छ । यही आवश्यकता पूर्तिका लागि शिक्षासम्बन्धी विभिन्न आयोगका सुझाव , शिक्षक तथा अभिभावकलगायत शिक्षासंग सम्बद्ध विभिन्न व्यक्ति सम्मिलित गोष्ठी र अन्तरक्रियाका निष्कर्षबाट विकास गरिएको मदरसा शिक्षा पाठ्यक्रमको स्वीकृत संरचनाअनुसार यो पाठ्यपुस्तक मदरसा शिक्षातर्फको कक्षा ९ को उर्दु भाषा विषय विकास गरिएको छ ।

माध्यमिक तहअन्तर्गतका बालबालिका सीमित शब्द र छोटो वाक्य तथा पाठ बुझ्न र प्रयोग गर्न सक्छन् । उनीहरूका लागि स्थानीय परिवेशका प्रसङ्ग, चित्र, शब्द र वाक्य तथा पाठहरूले मनोरञ्जनात्मक सिकाइमा सहयोग गर्छन् । सिकाइमा अभ्यासको अत्यन्त ठुलो महत्त्व हुन्छ । मदरसा शिक्षातर्फको कक्षा ९ को उर्दु भाषा विषयको पाठ्यपुस्तकको लेखन तथा परिमार्जन कार्यमा यिनै कुरालाई दृष्टिगत गरी पाठ्यवस्तु, अभ्यास र तिनको क्रम, चित्रको संयोजन र भाषिक सिपको उचित संयोजन गर्ने प्रयत्न गरिएको छ । यस पाठ्यपुस्तकको लेखन तथा सम्पादन खुर्सीद आलमबाट भएको हो । यसको विकास कार्यमा इमनारायण श्रेष्ठ, शेख अलि मञ्जर, इरफान राजा, गुलाम रसुल मियाँ, शालिकराम भुसाल, बासुदेव वस्ती, नारदप्रसाद धमला, कुलदिप जङ्गबहादुर गुरुङलगायतको विशेष योगदान रहेको छ । यो पाठ्यपुस्तकको विकासमा संलग्न सबैलाई पाठ्यक्रम विकास केन्द्र धन्यवाद प्रकट गर्दछ ।

पाठ्यपुस्तकलाई शिक्षण सिकाइको महत्त्वपूर्ण साधनका रूपमा लिइन्छ । अनुभवी मौलनाहरू र जिज्ञासु विद्यार्थीले पाठ्यक्रमद्वारा लक्षित सिकाइ उपलब्धिलाई विविध स्रोत र साधनको प्रयोग गरी अध्ययन अध्यापन गर्न सकिन्छ । यस पाठ्यपुस्तकलाई सकेसम्म क्रियाकलामुखी र रुचिकर बनाउने प्रयत्न गरिएको छ तथापि अझै भाषाशैली, विषयवस्तु तथा प्रस्तुति र चित्राङ्कनका दृष्टिले कमीकमजोरी रहेका हुन सक्छन् । तिनको सुधारका लागि मौलना, शिक्षक, विद्यार्थी, अभिभावक, बुद्धिजीवी एवम् सम्पूर्ण सरोकारवालाहरूको समेत महत्त्वपूर्ण भूमिका रहने हुँदा सम्बद्ध सबैको रचनात्मक सुझावका लागि पाठ्यक्रम विकास केन्द्र हार्दिक अनुरोध गर्दछ ।

पाठ्यक्रम विकास केन्द्र

مرتبین : خورشید عالم ایم اے، بی اید، سراح احمد مسلماں، ایم اے

صفحات : ۱۱۰

سنہ اساعت : بکرم سمبت ۲۰۸۱

ماشر : ورارت تعلیم، سائنس وٹیکنالوجی

مرکر برائے فروغ نصاب تعلیم

سانو ٹھیمی، بھکت پور

नेपाल सरकार

शिक्षा, विज्ञान तथा प्रविधि मन्त्रालय

पाठ्यक्रम विकास केन्द्र

सानोठिमी, भकतपुर

عرض ناشر

حکومت نیپال نے تعلیم کو فروغ دینے، اسے عام کرنے اور سب کے لیے تعلیم کو یقینی بنانے کی پالیسی اور منصوبہ بندی کی ہے، اس کے تحت وزارت تعلیم کی نگرانی میں قائم مرکز برائے فروغ نصاب تعلیم، سانو ٹھیمی، بھکت پور نے مدارس اسلامیہ کے لیے درجہ ششم تا درجہ بارہویں کا نصاب تعلیم تیار کیا ہے۔ جس میں ہماری اردو زبان کو بھی جگہ دی گئی ہے تاکہ ابتدائی درجات کے طلبہ وطالبات کو دیگر مضامین کے ساتھ ہی اردو زبان اور اس کے بنیادی قواعد کی بھی ضروری معلومات بہم پہنچائی جاسکیں تاکہ طلبہ وطالبات اردو بول چال میں دقت نہ محسوس کریں بلکہ روانی کے ساتھ اردو زبان بول سکیں، سمجھ سکیں اور اپنا مافی ضمیر بھی بخوبی ادا کرسکیں۔ اس کتاب کو سرکاری اسکولوں میں بھی بحیثیت زبان پڑھایا جاسکتا ہے تاکہ عام طلبہ وطالبات بھی دنیا کی ایک معروف زبان سیکھ سکیں اور اس کی شیرینی کو محسوس کرسکیں۔

اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے اردو زبان کی کتاب" ہماری اردو" کا تیسرے مرحلہ میں درجہ نہم، دہم اور درجہ گیارہ اور درجہ بارہ تک کا سیٹ تیار کیا جارہا ہے۔ اس مرحلہ کی پہلی کتاب" ہماری اردو" برائے درجہ نہم آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب کی خصوصیات:

۱۔ زبان نہایت سادہ، سلیس اور طرز بیان عام فہم اور دل نشیں ہے۔

۲۔ بچوں کی عمر، ان کی مقصد زندگی، ان کی ضرورت، ذوق، دل چسپی اور نفسیات کا پورا خیال رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۳۔ بچوں کو گردوپیش سے باخبر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ان کے ذوقِ جستجو اور فطری جبلت کو مہمیز لگایا جاسکے اور وہ زندگی کے گوناگوں میدانوں سے بھی واقف ہوں۔

۴۔ ہر سبق کے آخر میں مشقیں دی گئی ہیں، جو زبان دانی، تحریر، املا اور موادِ سبق کو سمجھنے میں معاون ہوں گی، بلکہ طلبہ وطالبات میں غور وفکر اور انفرادی مطالعہ کی عادت کا بھی محرک ثابت ہوں گی۔

۵۔ جہاں ضروری سمجھا گیا ہے وہاں الفاظ پر اعراب (زبر، زیر، پیش) لگادیا گیا ہے۔ بڑی حد تک الفاظ کا جدید املا اختیار کیا گیا ہے۔ مرکب الفاظ کو ملا کر لکھنے کے بجائے الگ الگ لکھا گیا ہے۔ جیسے دل کش، خوب صورت۔

کتاب کو مزید بہتر اور مفید بنانے کے لیے تمام اہل علم سے آراء اور مشوروں کی ہم امید رکھتے ہیں۔ کسی بھی قسم کا کوئی مشورہ ہو تو مرکز برائے فروغ نصاب تعلیم کے دفتر میں ارسال فرمانے کی زحمت فرمائیں۔ طلبہ وطالبات، اساتذۂ کرام اور دیگر اہل علم کی جانب سے مشوروں کا مرکز بخوشی استقبال کرے گا۔

مرکز برائے فروغ نصاب تعلیم

سانو ٹھیمی، بھکت پور

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون		صفحہ نمبر
	عرض ناشر		۳
۱	حمد پاک	نظم	۷
۲	اخلاقی خرابیاں سماج کے لیے مہلک ناسور	مذہب	۱۰
۳	انسانی مساوات کی اہمیت	سماجیات	۱۵
۴	اللہ کی صفات اور اسمائے حسنیٰ	اسمائے حسنیٰ	۲۰
۵	اردو نثر کی تاریخ	اردو ادب	۲۶
۶	نعت پاک	نظم	۳۱
۷	نظام شمسی اللہ کی قدرت کا عظیم مظہر	سائنس	۳۴
۸	مقامی مرکز صحت اور اس کی اہمیت	صحت	۳۸
۹	مرزا غالب، اردو کے عظیم شاعر	اردو ادب	۴۳
۱۰	بچوں کے حقوق	انسانی حقوق	۴۸
۱۱	لمبینی کا سفر	سیاحت	۵۲
۱۲	قومی اخبارات	صحافت	۵۷
۱۳	ڈپٹی نذیر احمد	سوانح	۶۱
۱۴	حضرت عمرؓ کا قبول اسلام	نظم	۶۶
۱۵	حضرت یوسف علیہ السلام	کردار	۷۰
۱۶	سوتیلی ماں کا آخری وقت	افسانہ	۷۶
۱۷	رمضان المبارک اور اسلامی ثقافت	سانسکرتک	۸۱
۱۸	حفیظ جالندھری اور ان کی شاعری	سوانح	۸۷
۱۹	حضرت سعید بن جبیرؒ	مکالمہ	۹۱
۲۰	بیٹی کا خط باپ کے نام	سلوک	۹۶
۲۱	اردو ہے میرا نام	نظم	۹۹
۲۲	اردو گیت	گیت	۱۰۱
۲۳	اردو قواعد	اردو ادب	۱۰۴

۲۴	قدیم شاعر بھانو بھکت آچاریہ	سوانح	۱۱۰

سبق نمبر۱

حمد باری تعالیٰ

سرفراز بزمیؔ

خالق ہے تو خدایا ! مالک ہے تو خدایا !
اِک لفظ کن سے تو نے سارا جہاں بنایا

بلبل کو بیکلی دی کلیوں کو خامشی دی
مہکے ہوئے گلوں کو خاموش دل کشی دی
آب رواں بنایا موجوں کو خود سری دی
ماہ تمام دے کر ٹھنڈی سی روشنی دی

سورج کو دی تمازت بخشا شجر کو سایہ
اِک لفظ کن سے تو نے سارا جہاں بنایا

سجدے کریں زمیں پر جب پربتوں کے سائے
بے نور ہو کے سورج صحرا میں ڈوب جائے
پھولوں کو آکے شبنم جس دم وضو کرائے
سارا نظام قدرت وحدت کی لے سنائے

ثانی ہے کون تیرا! یکتا ہے تو خدایا!
اِک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

یہ مرغ زار تیرے یہ کوہسار تیرے
نغمات گا رہے ہیں یہ آبشار تیرے
چڑیوں کے چہچہوں میں نغمے ہزار تیرے
قربان سارا عالم پروردگار تیرے

تیرا رہین رحمت کیا خویش کیا پرایا
اِک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

کاشانۂ چمن میں شاداب رنگ تیرے
سب گوسفند تیرے آہو پلنگ تیرے
شاہ و وزیر تیرے مست و ملنگ تیرے
اے کن فکان والے سب رنگ ڈھنگ تیرے

مالک ہے تو خدایا! خالق ہے تو خدایا
اِک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

وہ جھیل کے اُفق پر مرغابیوں کے ٹولے
سورج اتر رہا ہے دھرتی پہ ہولے ہولے
چھائے فسوں فضا پر جب رات زلف کھولے
" سبحان تیری قدرت " سارا جہان بولے

ہر شئے پہ لوٹ آئے تیرے کرم کا سایہ
اِک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

دے دے تو تیری نعمت نہ دے تو تیری حکمت
اور دے کے چھین لے تو مولیٰ تری مشیت
سر پر گدا کے رکھے دستار ما بدولت
صدقہ تیرے کرم کا شاہوں کی بادشاہت

تیری عطا سے پایا دنیا نے جو بھی پایا
اِک لفظ کن سے تو نے سارا جہاں بنایا

الفاظ و معانی: درج ذیل الفاظ کے معانی لکھیں:

بیکلی خودسری تمازت خویش مرغابیوں گوسفند مست وملنگ
کن فکان

سوال نمبر ا:۔ اس حمد کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں جو کم از کم ایک صفحہ پر مشتمل ہو۔

سوال نمبر ۲:۔ اس بند کا مطلب آسان الفاظ میں درج کریں۔

کاشانۂ چمن میں شاداب رنگ تیرے
سب گوسفند تیرے آہو پلنگ تیرے
شاہ و وزیر تیرے مست وملنگ تیرے
اے کن فکان والے سب رنگ ڈھنگ تیرے

سوال نمبر ۳:۔ اچھے حمد کی کوئی تین خوبیاں بیان کیجیے:

سوال نمبر ۴:۔ "سبحان تیری قدرت" کا مفہوم بیان کیجیے، نیز یہ بھی بتائیے کہ قرآن مجید میں کہاں اس مفہوم کی بات کہی گئی ہے۔

سوال نمبر ۵۔ اس حمد کی روشنی میں اپنے استاذ کی مدد سے مطلع، مقطع، ردیف اور قافیہ کی مثالیں بیان کیجیے:

....

سبق نمبر ۲

اخلاقی خرابیاں سماج کے لیے مہلک ناسور

اخلاق انسان کی بنیادی پہچان ہے۔ ایک اچھے معاشرے کی بنیاد اچھے اخلاق پر ہوتی ہے، لیکن جب معاشرتی اقدار ختم ہونے لگیں تو معاشرے میں بے حیائی، بے ایمانی اور رشوت جیسی برائیاں پھیل جاتی ہیں۔ یہ برائیاں نہ صرف افراد کو نقصان پہنچاتی ہیں بلکہ پوری قوم کی ترقی میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔

دنیامیں جہاں بھی قانون کی حکمرانی ہوتی ہے وہاں عدل وانصاف، امن وامان، انسانی اقدار کی حفاظت بدرجہ اتم ہوتی ہے، اور بے ایمانی، رشوت خوری، حقوق تلفی اور بے حیائی پر روک لگائی جاتی ہے، کیوں کہ یہ سماجی خرابیاں صالح معاشرہ کو تباہ کر دینے والی اور کسی بھی معاشرہ کے لیے انتہائی گھناؤنی اور مہلک ہوتی ہیں۔

اسلام نے عدل وانصاف کی بنیاد پر قائم معاشرہ کی فلاح وکامرانی کی ضمانت دی ہے، بلکہ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہاں عدل وانصاف، امن وامان اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت نہ کی جاتی ہو۔ جس معاشرہ میں یہ چیزیں جس قدر کم یاب اور ناپید ہوں گی اسی قدر وہ معاشرہ اور سماج ٹوٹ پھوٹ اور انتشار، تنزلی اور تباہی کا شکار ہو گا۔ بے حیائی، برائی اور ناانصافی ورشوت ستانی سماجی ناسور ہیں جو انفرادی، اجتماعی ومعاشرتی زندگی کو تباہ کر کے چھوڑتے ہیں۔

رشوت وبے ایمانی:۔ یہ ایک ایسا ناسور ہے جو انصاف کے نظام کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ جب لوگ اپنے مفادات کے لیے رشوت دیتے یا لیتے ہیں، تو وہ اپنی ذات اور معاشرے کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔ رشوت لینے والا اپنی عزت وایمان بیچ دیتا ہے، جب کہ دینے والا ناحق کام کو جائز بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ رشوت کے خلاف سخت قانون سازی اور عوام میں شعور اجاگر کرنا ضروری ہے تاکہ معاشرہ اس برائی سے پاک ہو۔

بد قسمتی سے ہمارے ملک اور معاشرے میں اپنے حقوق کی بازیابی اور عدل انصاف کے لیے لوگوں کو رشوت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہ رشوت اور بدعنوانی اس معاشرہ کا گویالازمی حصہ ہو گیا ہے۔ کسی کو سرکاری محکمہ سے اپنا حق لینا ہو تو رشوت دینی پڑتی ہے، کوئی کام کروانا ہو تو رشوت، کوئی مسئلہ حل کروانا ہو تو رشوت، عدالت سے انصاف چاہیے تو رشوت، سرکاری نوکری چاہیے تو رشوت، اداروں میں سرکاری فنڈ حاصل کرنا ہو تو رشوت، بوڑھوں اور بیواؤں کو حق بیوگی اور ضعیفی کا بھتہ چاہیے تو رشوت، الیکشن میں لڑنے کے لیے رشوت، اداروں کے قیام کے لیے رشوت، اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے رشوت، تعلیم کے لیے رشوت اور اپنی بات حکومت وقت تک پہنچانے کے لیے رشوت، تجارت کے لیے رشوت، تجارتی کمپنی قائم کرنے کے لیے رشوت، گویا رشوت اور بدعنوانی اس قوم کا مقدر بن چکی ہے، حکام، بیورکریٹ، عدلیہ اور قانون داں، سیاست داں سب رشوت خور اور تو اور تعلیمی اداروں کے ذمہ داران رشوت خوری کے جرم میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ آج بھی ہمارے

سماج میں ایسے انصاف پسند افراد ہیں جو اس مہلک بیماری سے سماج کو پاک دیکھنا چاہتے ہیں اور حکومت میں بھی ایسے ایمان دار افراد ہیں لیکن افسوس کہ ایسے لوگوں کا ساتھ نہیں دیا جاتا ہے اور ان کی نیک خواہشات اب بھی تشنۂ تعبیر ہیں۔

اس فتنہ نے ملک کی معیشت و معاشرت کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔ غریب و مزدور اپنے حقوق کے لیے رشوت کی دہلیز پر جا کر دم توڑ دیتے ہیں۔ طلبہ اچھی تعلیم کے لیے رشوت کی چوکھٹ پر اپنی ذہانت بیچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ملک کے باصلاحیت نوجوان اپنی لیاقتوں کو رشوت کے اکھاڑوں میں بیچ دینے پر مجبور ہیں، عدلیہ انصاف کے ترازو کو بدعنوانی کی جھولی میں لپیٹ دینے کو اپنا فن سمجھتی ہے، سیاسی قائدین بات بات میں رشوت اور بے ایمانی و بدعنوانی کو اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگ گئے ہیں۔ غرض اس بدعنوانی نے ملک کو اندرونی غلامی کے بندھنوں میں جکڑ رکھا ہے۔ اسی وجہ سے اس ملک کی معاشی و معاشرتی ترقی روبہ زوال ہے، بدعنوان حکام نے اس کی ترقی کو گویا گروی رکھ دیا ہے۔ دنیا کے ۱۸۰ ممالک میں نیپال بدعنوانی کی فہرست میں ۱۰۸ نمبر پر ہے۔ یہ ہمارے لیے انتہائی افسوس کی بات ہے۔

دوسروں کا مال بے جا ہڑپ جانے، ناانصافی اور حقوق تلفی کے خلاف قرآن کریم میں صریح احکام نازل ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”آپس میں تم ایک دوسرے کے مال کو ناجائز اور غلط طریقوں سے مت کھاؤ اور نہ انھیں حاکموں کے پاس لے جاؤ کہ (رشوت دے کر یا طاقت کے بل بوتے پر) لوگوں کا مال جانتے بوجھتے ہڑپ کر جاؤ“۔

نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے: ”رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں ہی جہنم میں جائیں گے۔“ ایسی سخت وعیدوں کے بعد بھی اگر کوئی مال حرام سے اپنے پیٹ کو بھرتا ہے، اور خدا کے بندوں کا استحصال کرتا ہے تو ایسا شخص معاشرے کو تباہی میں ڈال رہا ہے اور اس طرح کے لوگوں کا علاج سخت ترین قوانین کے ذریعہ کیا جانا چاہیے۔

دین میں ایمان داری کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ اس کا تاکیدی حکم بیان کیا گیا ہے اور اس کا التزام کرنے والوں کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ' ' کا ارشاد ہے: ”اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو“۔ (النساء ۵۸ : ۴)

سورۃ المومنون (آیات ۱۱-۱) اور سورۃ المعارج (آیات ۳۵-۲۲) میں جہاں اہلِ ایمان کے بہت سے اوصاف بیان کیے گئے ہیں، وہیں ان کے اس وصف کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ ”جو اپنی امانتوں کی حفاظت اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں“۔ اس کے بالمقابل جو لوگ عہد و امانت کی پابندی نہیں کرتے ان کے دین و ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے خطبوں میں یہ جملے اکثر پڑھا کرتے تھے: ”جس شخص میں امانت داری نہ ہو اس کا ایمان معتبر نہیں، اور جو شخص عہد کا پابند نہ ہو اس کے دین کا کوئی اعتبار نہیں“۔ (مسند احمد، ج ۱۳۵/۳، ۱۵۴، ۲۱۰)

فحاشی اور اس کا سدباب:

ہمارے معاشرے کی ایک دوسری بڑی بیماری فحاشی ہے۔ فحاشی اور بے حیائی ایک ایسی برائی ہے جو انسان کو شرم و حیا کے خوب صورت لباس سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ برائی معاشرتی اقدار کو ختم کر کے بے راہ روی کو فروغ دیتی ہے۔ بے

حیائی کی مختلف شکلیں ہیں، جیسے غیر اخلاقی گفتگو، نامناسب لباس، بے پردگی اور نازیبا حرکات۔ یہ برائی نوجوان نسل کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

فحاشی میں بے حیائی، عریانی، بدکاری، حیا سوز فلمیں اور ڈرامے، برہنہ تصاویر، مجالس میں بدن کی نمائش، عورتوں اور مردوں کا اختلاط سب شامل ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے: '' کہہ دیجیے: میرے رب نے اعلانیہ اور پوشیدہ بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے'' (الاعراف: 33)۔ ہر وہ گناہ اور معصیت جس کی قباحت و شناعت زیادہ ہو، اس کو فُحش اور فَاحِشَۃ پن کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر قبیح قول و فعل، بری بات اور برے عمل کو فاحشہ کہا جاتا ہے اور کسی کی بات کا سختی سے جواب دینے کو بھی فُحش کہتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ' ' کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی بات پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے'' (النور: 19)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ' ' نے بے حیائی کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت و ترویج کو بھی بے حیائی سے تعبیر فرمایا ہے اور اِسے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کا باعث قرار دیا ہے۔ آج معاشرے کا بہت بڑا حصہ فحاشی میں ڈوبا ہوا ہے اور یہی فحاشی کرپشن کو بڑھانے میں معاون ہے۔ جس کے باعث دنیا کی وہ مملکتیں جہاں فحاشی کو فروغ مل رہا ہے تنزلی کا شکار ہیں اور ان کا زوال دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

فحاشی میں سب سے برا فعل زنا ہے، اور اس کھلی بے حیائی، جنسی چاہت اور ناجائز تعلقات کے طوفان نے تہذیب و تمدن کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ اسلام انسانوں کو اس کی شناعت سے آگاہ کرتا ہے اور اس سے کوسوں دور رہنے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: ''اور زنا کے قریب بھی مت جاناوہ ایک گھناؤنا کام اور برا راستہ ہے۔'' (الاسراء:۳۲)

جنسی میلان اور جنسی شہوت جو انسان کی فطرت میں شامل ہے، اسلام نے اس کا پورا خیال رکھا ہے اور ان کو حلال اور جائز طریقے سے اس خواہش کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نکاح کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور تجرد یعنی نکاح نہ کرنے کو قطعی ناپسند کرتا ہے۔ اس لیے اس نے نکاح کو بے حد آسان کر دیا ہے تاکہ فحاشی کی طرف جانے والا ہر راستہ بند ہو جائے۔ اسلام نے فحاشی کو روکنے کے لیے صرف احکام پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے سدباب کے لیے سخت ترین قوانین بھی بنائے ہیں۔ اگر آج دنیا ان سزاؤں کو نافذ کر دے تو دنیا سے فحاشی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا کرپشن دونوں کا ہی خاتمہ ہو جائے گا۔

فحاشی کے ضمن میں عریانیت، بے حیائی، غلط بینی و بدنگاہی، گندی باتوں کا زبان پر لانا، مجلسوں میں ان کا ذکر اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عریاں اور گندی تصویروں اور ویڈیوز کو دیکھنا اور انہیں عام کرنا بھی ہے۔ فحاشی کی وجہ سے نوجوان نسل تباہ ہو رہی ہے، ان کی ذہنی صلاحیتیں مفلوج ہو رہی ہیں۔ وہ تخریب کاری کے کاموں میں ملوث ہو رہے ہیں، اپنے اوقات کو مثبت اور نتیجہ خیز کاموں میں صرف کرنے کے بجائے گندگیوں اور نامناسب کاموں میں ضائع کر رہے ہیں اور جس کی وجہ سے سماج میں مثبت تبدیلی آنے کی بجائے منفی رجحانات پروان چڑھ رہے ہیں۔ ان کی آوارگی، بداخلاقی اور ان گندگیوں میں ملوث ہونے کی

وجہ سے ہمارا معاشرہ دن بہ دن بگاڑ کا شکار ہوتا جارہا ہے۔ تعلیمی ادارے متاثر ہورہے ہیں، والدین کے حقوق تلف ہورہے ہیں۔ ہمارا معاشرہ تباہی کی طرف جارہا ہے اور ملک کو صالح قیادت ملنے کی بجائے تخریب کار اور پراگندہ سوچ و فکر کے حامل افراد میسر آرہے ہیں جس سے ملک کی ترقی روز افزوں تنزلی کی راہ پر جارہی ہے۔ ان برائیوں کے بالمقابل اسلام خیر و بھلائی کو فروغ دیتا ہے۔

عوام میں بدعنوانی اور بے حیائی کو فروغ دینے والی ایک چیز مسابقت الی الشر ہے۔ یعنی نام و نمود اور انا کی غرض سے دنیا وی عیش و عشرت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرنا۔ جیسے رسومات میں بے دریغ اخراجات کے سلسلے میں مقابلہ آرائی، یا پھر دنیا کی نظر میں اپنے وقار کی بلندی کے لیے سامانِ عیش و عشرت میں مقابلہ آرائی اور دوسروں سے زیادہ مال اور جائیداد کما لینے کی ہوس ہے۔

چناں چہ اسلام لوگوں کو مسابقت الی الشر سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے اور اس کے متبادل میں مسابقت الی الخیر کو پیش کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ”رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دیا کرو اور فضول خرچی مت کیا کرو۔ بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔“ (بنی اسرائیل:۲۶،۲۷)

قرآن میں جگہ جگہ مسابقت الی الخیر کی دعوت دی گئی ہے۔ چناں چہ ارشاد ربانی ہے: ”اور وہ لوگ (جن کا حال یہ ہے کہ) جو کچھ بھی (راہِ خدا) میں دے سکتے ہیں دیتے ہیں اور (اس کے باوجود) ان کے دل اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ، انھیں اپنے رب کے حضور لوٹ کر جانا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اچھائیوں کے لیے دوڑنے والے ہیں اور آگے بڑھ کر انھیں پانے والے ہیں۔“ (المؤمنون:۶۰،۶۱)

نبی ﷺ نے بھی امت کو مسابقت الی الخیر کے لیے برابر ابھارا ہے۔ اسلام کے اسی مزاج کا اثر تھا کہ صحابہ کرامؓ اچھائیوں میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا واقعہ اس کی بے نظیر مثال ہے، جب نبی ﷺ کے اعلان کے بعد حضرت عمرؓ اپنے گھر کا آدھا اثاثہ صدقہ کر دیتے ہیں اور ان پر بازی لے جاتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ اپنے گھر کا سارا ہی سامان صدقہ کر دیتے ہیں۔ یہ مسابقہ الی الخیر کا تصور ہی ہے جو مسابقت الی الشر کا خاتمہ کرتا ہے اور معاشرے کو بدعنوانی و بے حیائی سے پاک کرتا ہے۔

اسی طرح اسلام بے حیائی اور فحاشی پر روک لگانے کے لیے قانون وضع کرتا ہے۔ مرد و عورت کی تنہائی کے اختلاط پر پابندی لگاتا ہے، ساتر اور مہذب لباس کو فروغ دیتا ہے اور عریانیت پر پابندی لگاتا ہے، مردوں اور عورتوں کو اپنے اپنے حدود میں رہنے، راستہ چلتے نگاہوں کو نیچی رکھنے اور اجنبی عورتوں کو ہرگز نہ دیکھنے کا حکم لگاتا ہے۔ خلوت و جلوت ہر حال میں خوف خدا اور خدا ترسی کے احکام صادر فرماتا ہے تاکہ فحاشی اور عریانیت پر مکمل پابندی لگے۔

اسلام کے یہی اصول وضوابط ہیں جن کو اپنانے کے بعد کوئی بھی معاشرہ بدعنوانی سمیت تمام معاشرتی خرابیوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں صرف خدائی قانون کی حکمرانی ہوتی، عدل وانصاف کا بول بالا ہوتا ہے اور ہر طرف امن وامان قائم ہو جاتا ہے۔

مشقی سوالات:

الف: درج ذیل سوالوں کا جواب لکھیں۔

سوال نمبر ا۔ رشوت کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے کیا کیا نقصانات ہیں؟

سوال نمبر ۲۔ معاشرہ کو رشوت اور بے ایمانی سے پاک کرنا کیوں ضروری ہے؟

سوال نمبر ۳۔ رشوت ہمارے سماج کے کن کن حصوں میں داخل ہو گیا ہے؟

سوال نمبر ۴۔ بے حیائی اور عریانیت کے سماجی نقصانات کی ایک فہرست چارٹ پیپر پر لکھ کر آویزاں کریں۔

سوال نمبر ۵۔ درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

بے حیائی بدقسمتی مقدر امانتیں وضع اختلاط

ب: درج ذیل مشقیں بھی اپنے استاذ کی نگرانی میں کریں۔

مشق نمبر ا۔ سماج کی تعمیر وترقی میں نوجوان کیا کیا خدمات انجام دے سکتے ہیں؟ دو پیراگراف میں اپنے الفاظ میں لکھیں۔

مشق نمبر ۲۔ آپ کے اپنے معاشرے میں کیا کیا خرابیاں پائی جاتی ہیں؟ انہیں دور کرنے کے لیے آپ کیا کر سکتے ہیں؟

مشق نمبر ۳۔ اپنے دوستوں کی مدد سے سماجی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے ایک وال میگزین تیار کریں جس میں قرآن وسنت کی تعلیمات پر مشتمل مضامین لکھ کر خوب صورت ڈیزائن کے ساتھ مسجد کے اندرونی گیٹ پر آویزاں کریں۔

....

سبق نمبر ۳

انسانی مساوات

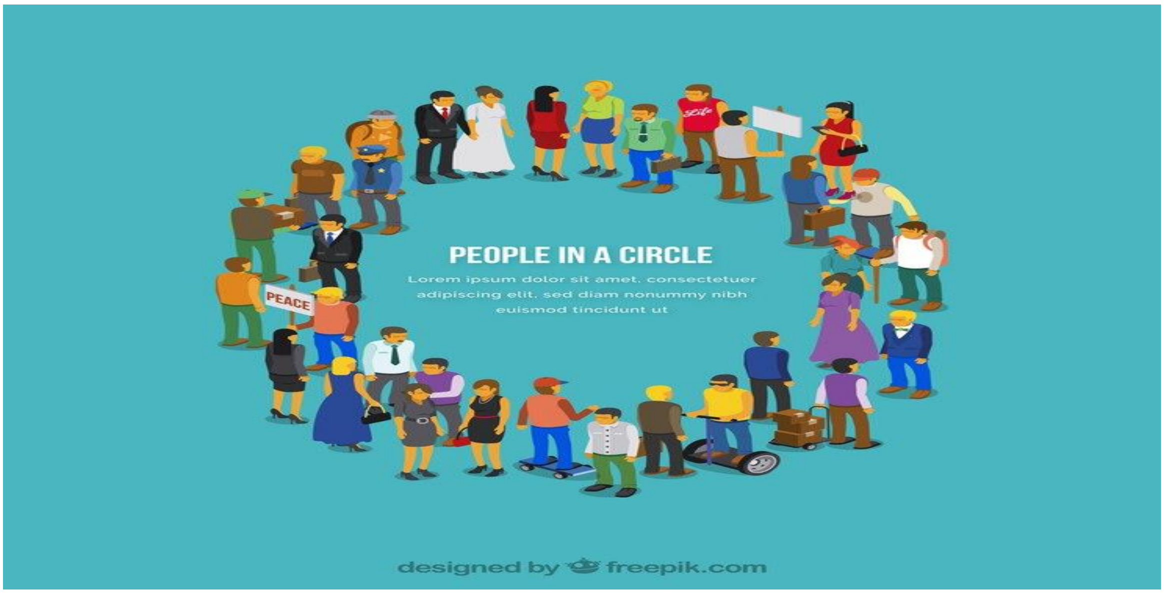

مُساوات لغوی اعتبار سے اسم ہے اور مؤنث ہے۔ اس کا معنی ہوتا ہے: برابری، یکسانی یعنی قدر، مرتبے، عزت واحترام اور مواقع میں برابر ہونا یا کرنا، یگانگت، ہمسری۔ گویا مساوات کا مطلب ہے "برابری" سارے انسانوں کے حقوق برابر ہیں، ان کا اپنا مقام ہے اور ان کے لیے یکساں مواقع فراہم ہیں، کوئی شخص اپنے خاندان، قبیلہ، وغیرہ کی وجہ سے حقیر یا اعلیٰ نہیں ہے بلکہ سارے لوگ برابر ہیں، اسلام لوگوں کے درمیان ان کی نسل، رنگ، لباس اور زبان کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتا، اگر فرق کرتا ہے تو بس ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کے اعتبار سے۔

اسلام میں مساوات، نرم مزاجی اور خوش اخلاقی پر بہت زور دیا گیا ہے، اسلام میں تمام انسان برابر ہیں، گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر، امیر کو غریب پر یا غریب کو امیر پر، نہ عربی کو عجمی پر اور نہ عجمی کو عربی پر فوقیت حاصل ہے۔ حجۃ الوداع میں انسانی عظمت و اقدار کے منافی تمام پہلوؤں کو منسوخ کر دیا گیا اور وہ تمام جاہلانہ رسمیں جو کہ قبل از اسلام انسانیت کے منافی تھیں سب کو موقوف کر دیا گیا۔ اسی لیے یہ خطبہ مکمل طور پر انسانیت کے تحفظ کے لیے بہترین ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے، اور ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات اور انسانی عظمت کا منشور ہے.

اس خطبہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا: «! لوگو ! سن لو، زمانہ جاہلیت کے تمام رسم و رواج آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ لوگو ! تمہارا رب ایک، تمہارے باپ آدم ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کالے پر، کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری نہیں ہے، فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے تم سب آدم کی اولاد ہو۔ تم سب پر ایک دوسرے کا خون عزتیں اور مال حرام ہے خبردار ! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ اک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔»

یہ خطبہ انسانی مساوات اور حریت کا بین الاقوامی منشور ہے۔ اس خطبے میں نوع انسانی کو پہلی مرتبہ برابری، مساوات اور مواخات کے زریں اور ابدی اصول فراہم کیے گئے ہیں۔ اس خطبے نے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دی

جو ذلت، پستی، ظلم، تشدد اور استحصال کا شکار تھے، انہیں دوسرے انسانوں کے برابر بیٹھنے کا موقع ملا۔ یہ خطبہ اسلام کے معاشرتی نظام کی راسخ بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ معاشرتی مساوات، نسلی افتخار و مباہات کا خاتمہ، عورتوں اور غلاموں کے حقوق، غلاموں سے حُسنِ سلوک اور ایک دوسرے کے جان و مال کا احترام سکھاتا ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں جو کہ اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیادیں ہیں جن پر یہ نظام قائم ہے۔

تمام فلسفیوں اور مفکروں کا پسندیدہ ترین خواب انسانی برابری اور مساوات ہے۔ مگر محمد ﷺ تاریخ کے پہلے انسان ہیں جن کے لائے ہوئے اسلامی انقلاب نے ساری تاریخ میں پہلی بار انسانی مساوات کو عملی طور پر قائم کیا۔ اس کا اعتراف عام طور پر سنجیدہ اہل علم نے کیا ہے۔ مثال کے طور پر سوامی ویویکانند نے اپنے مطبوعہ خط (نمبر 175) میں کہا تھا کہ میرا تجربہ ہے کہ اگر کبھی کوئی مذہب عملی مساوات تک قابل لحاظ درجے میں پہنچا ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔

مساوات کے اصول کے تحت اسلام معاشرے کے ہر فرد کے جان و مال اور عزت کو یکساں محترم قرار دیتا ہے اور اس سلسلے میں کسی کے ساتھ کسی قسم کے امتیاز کا روادار نہیں ہے۔ وہ اس اعتبار سے کسی کو برتر نہیں مانتا کہ وہ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے یا اس کے پاس دوسروں کی نسبت مال زیادہ ہے یا وہ زیادہ زمین کا مالک ہے یا اس کا رنگ دوسروں سے اچھا ہے یا زیادہ پڑھا لکھا ہے، یا کسی خاص علاقے کا باشندہ ہے یا وہ معاشرے میں کسی خاص حیثیت کا حامل ہے۔ اسلام کے مقرر کردہ قوانین میں معاشرہ میں موجود فرق اور تفاوت بے معنی ہیں۔ اگر اس قسم کے تفاوت کسی موقع پر معاشرہ کے نظام میں خرابی کا باعث بنتی ہیں تو قانون کے مقابلے میں ایک پرکار کی حیثیت بھی نہیں رکھتیں اور پورے استغنا کے ساتھ ٹھکرادی جاتی ہیں۔

اسلام اس بات کا بھی قائل نہیں کہ کسی شخص کو اس لیے حقیر سمجھا جائے کہ وہ غریب اور نادار ہے یا کوئی طاقت ور اس لیے دوسرے کے مال پر قبضہ کرلے کہ مقابل کمزور ہے۔ یا کم حیثیت والے کی عزت پر کوئی اس لیے ہاتھ ڈال لے کہ وہ اعلیٰ حیثیت کا مالک نہیں۔ کسی شخص کا کمزور، نادار اور کم حیثیت ہونا قطعاً اس میں رکاوٹ نہیں بنتا کہ اس کو اس کے حقوق پورے پورے دیئے جائیں اور اس کے مال جان اور عزت کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح کسی طاقت ور، مالدار اور اعلیٰ حیثیت کے حامل فرد کے مال و جان اور عزت کا احترام کیا جاتا ہے اور اس کو اس طرح تحفظ دیا جاتا ہے جس طرح کسی اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کو حاصل ہوتا ہے۔

مساوات کی اہمیت:

قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا، اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم

سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ دانا اور باخبر ہے۔" (**سورۃ الحجرات۔49:13**)

اسلام عدل وانصاف والا مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو! یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔" (**سورۃ النساء 4:58**)

احادیث کے دلائل: مساوات کی تعلیم ہمیں پیغمبر اسلام محمد ﷺ کی روایات میں بھی ملتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اے انسانو، تمہارا پروردگار ایک ہی ہے اور تمہارا باپ ایک ہی ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ درست راہ پر گامزن رہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں مگر فضیلت و برتری صرف تقویٰ (پرہیزگاری) کی بنیاد پر حاصل ہے۔ (**مسند احمد ص 22978**)

اسلامی مساوات کے بنیادی اصول: اسلامی مساوات کی جڑیں اس کی تعلیمات کے بنیادی ڈھانچہ میں پوری طرح پیوست ہیں اور انہیں مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

1. تمام انسانوں کو ایک ہی ذات، سب سے اعلیٰ و برتر ذات اور ان سب کے پروردگار ہی نے پیدا کیا ہے (جس میں تمام انسان برابر ہیں)۔
2. تمام بنی نوع انسانی کا تعلق ایک ہی نسل سے ہے اور وہ ایک ہی بابا آدم اور حوا کی اولاد ہونے میں برابر کے شریک ہیں۔
3. اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کے ساتھ یکساں طور پر مہربان ہے۔ کسی بھی رنگ و نسل، عہد یا علاقہ کے ساتھ اس کی رحمت خاص نہیں۔ ساری کائنات میں اس کی سلطنت اور بادشاہت ہے اور تمام انسان اس کی مخلوق ہیں۔
4. تمام انسان اپنی پیدائش کے اعتبار سے اس معنی میں یکساں ہیں کہ کسی کا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں سے کچھ بھی حصہ نہیں اور وہ سب یکساں طور پر مرنے والے ہیں کہ دنیا کی کوئی شئی وہ اپنے ہمراہ نہیں لے جاسکتے۔
5. اللہ تعالیٰ ہر فرد کا فیصلہ اسی کے اعمال اور کارناموں ہی کی بنیاد پر کرنے والا ہے۔
6. اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کچھ نہ کچھ اعزاز اور شرف سے نوازا ہے۔

مساوات یہ نہیں کہ جاہل اور عالم یکساں ہیں، یا یہ کہ دانا اور بے وقوف یکساں ہیں یا یہ نہیں کہ ایک کام کرنے والا ہے اور ایک ناکارہ ہے تو یکساں حکم میں آجائیں، یہ بھی نہیں کہ ایک وفادار ہے اور ایک بے وفا ہے وہ بھی یکساں حکم میں آجائے، اگر ایسا ہو تو یہ انسانی تہذیب و تمدن کے قتل کرنے کے مترادف ہے۔ مساوات کا مطلب یہ ہے کہ: ایک ملک کے اندر رہنے والے، ایک سلطنت میں رہنے والے، ایک علاقے میں رہنے والے، ایک دین سے تعلق رکھنے والے، معاشرتی طور پر، اخلاقی طور پر، قانونی طور پر یکساں حیثیت رکھتے ہیں، وہ حق جو امیر کو ملتا ہے وہی حق غریب کو بھی ملے گا۔ زندگی اور

زندگی کے معاملات کا وہ حق جو ایک دولت مند کو ملتا ہے ایک غریب کو بھی وہی ملے گا، جو ایک کالے کو ملتا ہے گورے کا بھی وہی حق ہے، جو گورے کو ملتا ہے، کالے کو بھی وہی ملے گا۔ قانون کے لحاظ سے سب یکساں، معاشرتی معاملات کے حوالے سے سب یکساں، زندگی کے تمام معاملات میں سب یکساں حکم رکھتے ہیں، یہ ہے اسلامی مساوات۔ الطاف حسین حالیؔ کہتے ہیں:

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں	کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

تاریخ میں تمام جنگوں کی بنیاد علاقائی، لسانی اور نسلی اختلافات ہیں۔ اسلام دنیا کا واحد نظام حیات ہے جس نے ان فساد انگیز اور تباہ کن اختلافات کو ختم کرنے اور انسانی برادری کو انسانیت کے نام پر متحد کرنے کی کوشش کی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: تم میں کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت نہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات کا خلاصہ محبت و مساوات کی بنیاد پر ایک آفاقی معاشرے کی تشکیل ہے تاکہ تمام بنی نوع انسان کا یکساں احترام کیا جائے۔ اسلام بجا طور پر عالم انسانی کے لیے امن و انسانیت کا مذہب ہے، کیونکہ اسلام اتحاد انسانی کا عظیم داعی ہے "اسلام نے بنی نوع انسان کے اتحاد کے ضمن میں جو پہلا قدم اٹھایا وہ ایک ہی نوع کے اخلاقی ضابطے رکھنے والوں کو اتحاد کی دعوت دینا ہے۔ قرآن کریم نے اعلان کیا کہ :اے اہل کتاب، آؤ ہم اللہ تعالیٰ ' ' کی توحید پر متحد ہو جائیں جو ہم سب کے درمیان مشترک ہے۔

گزشتہ دو صدیوں سے مادی اقدار خصوصیت کے ساتھ فروغ پذیر ہوئی ہیں۔ علوم و فنون کی ترقی سے حیرت انگیز انکشافات معرض ظہور میں آئے ہیں۔ یہ عمل مغربی اقوام نے انجام دیا جس سے وہ بہت طاقتور بن گئیں۔ اس سے ان میں اپنی بالادستی اور برتری کا شدید احساس پیدا ہوا۔ انہوں نے جدید آلات کی مدد سے مشرقی اقوام پر سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی غلبہ پالیا۔ مذہب اور اس کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مشکوک اور مبہم قرار دیا۔ اس طرح مشرق اور مغرب میں فاصلے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ مشرق اور خصوصاً اسلامی ممالک مغربی اقوام کی چراگاہ بن گئے۔

علامہ اقبال نے اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر کہا تھا: "تمام دنیا کے ارباب فکر دم بخود سوچ رہے ہیں کہ تہذیب کے اس عروج اور انسانی ترقی کے اس کمال کا انجام یہی ہونا تھا؟ کہ ایک انسان دوسرے کی جان و مال کے دشمن بن کر کرۂ ارض پر زندگی کا قیام ناممکن بنا دیں؟ دراصل انسان کی بقاء کا راز انسانیت کے احترام میں ہے اور جب تک دنیا کی تمام علمی قوتیں اپنی توجہ کو احترام انسانیت پر مرکوز نہ کر دیں، یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی بنی رہے گی۔ وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے او وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے جو رنگ و نسل و زبان سے بالاتر ہے۔ جب تک جغرافیائی وطن پرستی اور رنگ و نسل کے اعتبارات کو ختم نہ کیا جائے گا، اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح و سعادت کی زندگی بسر نہ کر سکے گا اور اخوت و حریت اور

مساوات کے شاندار الفاظ شرمندہ معنی نہ ہوں گے۔ خداوند کریم حاکموں کو انسانیت اور نوع انسانی کی محبت عطا فرمائے۔"آمین !

سوال نمبر ۱:۔ مساوات کا مفہوم مختصر الفاظ میں لکھیں:

سوال نمبر ۲:۔ اسلامی مساوات کیا ہے؟

سوال نمبر ۳:۔ ہمارے معاشرے میں اسلامی مساوات کے خلاف کیا کیا چیزیں پائی جاتی ہیں؟

سوال نمبر ۴:۔ اسلامی تاریخ سے اسلامی مساوات کو سمجھانے والا کوئی ایک مشہور واقعہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے:

سوال نمبر ۵:۔ نیپال سرکار نے معاشرہ میں مساوات قائم کرنے کے لیے کیا حکمت عملی اپنائی ہے؟

سوال نمبر ۶:۔ درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کریں

منشور اعتراف یکساں حیثیت وحدت

مشق (۱) غیر اسلامی مساوات کو سمجھانے کے لیے ایک ڈرائنگ تیار کیجیے:

مشق (۲) تین تین دوستوں کا پانچ گروپ بنائیں اور کم از کم پانچ افراد سے ملاقات یا سلوک کا عینی مشاہدہ کی روشنی میں سماج میں موجود تفاوت اور فرق کی نشان دہی کریں اور اس کا حل بھی بتائیں۔

~~~~~~
~~~~~~

سبق نمبر ۴

اسمائے حسنیٰ

عزیز بچو ! آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایمان کے ارکان چھ ہیں اور ہر مسلمان کو ان چھ چیزوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے:

۱۔اللہ پر ایمان لانا	۲۔فرشتوں پر ایمان لانا
۳۔کتابوں پر ایمان لانا	۴۔رسولوں پر ایمان لانا
۵۔آخرت پر ایمان لانا	۶۔تقدیر پر ایمان لانا

آج آپ کو ایمان باللہ کے تحت اللہ کی صفات اور اسمائے حسنی سے متعلق جان کاری دی جارہی ہے۔قرآن مجید میں اسمائے حسنیٰ جابجابیان کیے گئے ہیں۔ یہاں تین آیات درج کیے جارہے ہیں۔

۱۔ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿الاعراف ۱۸۰﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، سو اسے ان ناموں سے پکارا کرو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے اِنحراف کرتے ہیں، عنقریب انہیں ان (اَعمالِ بد) کی سزا دی جائے گی جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔

۲۔آیت اکرسی:اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝ (البقرة: ۲۵۵)

ترجمہ : اللہ، وہ زندہ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے وہ نہ سوتا ہے اور نہ اُسے اونگھ لگتی ہے زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے کون ہے جو اُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اُن سے اوجھل ہے، اس سے بھی وہ واقف ہے اور اُس کی معلومات میں سے کوئی چیز اُن کی گرفت ادراک میں نہیں آسکتی الّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی اُن کو دینا چاہے اُس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور اُن کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔

۳۔ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لا إِلَهَ إِلاَّ هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۔ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لا إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۔ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الأَسْمَاء الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورۃالحشر: ۲۲۔۲۴)

ترجمہ : وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ وہی بے حد رحمت فرمانے والا نہایت مہربان ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (حقیقی) بادشاہ ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر نقص سے سالم (اور سلامتی دینے والا) ہے، امن و امان دینے والا (اور معجزات کے ذریعہ رسولوں کی تصدیق فرمانے والا) ہے، محافظ و نگہبان ہے، غلبہ و عزّت والا ہے، زبردست عظمت والا ہے، سلطنت و کبریائی والا ہے، اللہ ہر اُس چیز سے پاک ہے جسے لوگ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہی اللہ ہے جو پیدا فرمانے والا ہے، عدم سے وجود میں لانے والا (یعنی ایجاد فرمانے والا) ہے، صورت عطا فرمانے والا ہے۔ (الغرض) سب اچھے نام اسی کے ہیں، اس کے لیے وہ (سب) چیزیں تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑی عزت والا ہے بڑی حکمت والا ہے۔

احادیث میں اسمائے حسنیٰ کا بیان : احادیث میں نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ ' ' کے اسمائے حسنیٰ کے سلسلہ میں متعدد بار بیان کیا ہے جسے راویانِ حدیث نے ہم تک پہنچایا ہے۔ بعض احادیث یہاں درج کی جارہی ہیں:

۱۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: إِنَّ ِللهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اسْمًا: مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ {اَحْصَيْنَاهُ} حَفِظْنَاهُ۔مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ' ' کے ننانوے (99) اسماء مبارکہ ہیں یعنی سو سے ایک کم۔ جس نے ان سب کو یاد رکھا وہ جنت میں داخل ہوا۔ راوی کہتے ہیں (اَحْصَيْنَاهُ) سے مراد ہے، ہم نے اُسے محفوظ کرلیا۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ' ' کے ننانوے اَسماء ہیں، جو انہیں یاد کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ وہ اَسماء یہ ہیں: بے شک وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ الرَّحْمٰنُ نہایت مہربان، الرَّحِيْمُ ہمیشہ رحم فرمانے والا، الْمَلِكُ بادشاہ، الْقُدُّوْسُ جملہ نقائص و عیوب سے پاک، السَّلَامُ سلامتی دینے والا،

اَلْمُؤْمِنُ امان بخشنے والا، اَلْمُهَيْمِنُ نگہبانی اور حفاظت فرمانے والا، اَلْعَزِيْزُ عزت، بزرگی اور غلبہ والا، اَلْجَبَّارُ بہت زبردست، عظمت والا، اَلْمُتَكَبِّرُ سب سے اعلیٰ و ارفع، بڑائی والا، اَلْخَالِقُ پیدا کرنے والا، اَلْبَارِئُ عدم سے وجود میں لانے والا، اَلْمُصَوِّرُ شکل و صورت اور امتیازی شان عطا کرنے والا، اَلْغَفَّارُ بہت بخشنے والا، اَلْقَهَّارُ سب پر غالب، اَلْوَهَّابُ بہت عطا فرمانے والا، اَلرَّزَّاقُ رزق دینے والا، اَلْفَتَّاحُ بڑا مشکل کشا، بند راستے کھولنے والا، اَلْعَلِيْمُ بہت جاننے والا، اَلْقَابِضُ روزی تنگ کرنے والا، اَلْبَاسِطُ روزی میں فراخی دینے والا، اَلْخَافِضُ منکرین و متکبرین کو پست کرنے والا، اَلرَّافِعُ بلند کرنے والا، اَلْمُعِزُّ عزت دینے والا، اَلْمُذِلُّ ذلت دینے والا، اَلسَّمِيْعُ بہت زیادہ سننے والا، اَلْبَصِيْرُ سب کچھ دیکھنے والا، اَلْحَكَمُ فیصلہ فرمانے والا، اَلْعَدْلُ خوب انصاف کرنے والا، اَللَّطِيْفُ بہت لطف و کرم فرمانے والا، اَلْخَبِيْرُ ہر چیز کی خبر رکھنے والا، اَلْحَلِيْمُ بردبار اور حلم والا، اَلْعَظِيْمُ عظمت و بزرگی کا مالک، اَلْغَفُوْرُ بے انتہا بخشش و مغفرت فرمانے والا، اَلشَّكُوْرُ شکر کا بدلہ دینے والا، قدر دان، اَلْعَلِيُّ سب سے بلند و برتر، اَلْكَبِيْرُ بہت بڑا، اَلْحَفِيْظُ محافظ و نگہبان، اَلْمُقِيْتُ قوت دینے والا اور روزی عطا کرنے والا، اَلْحَسِيْبُ جمیع امور میں کفایت کرنے والا، ہر چیز کا حساب رکھنے والا، اَلْجَلِيْلُ بلند مرتبہ اور بزرگی والا، اَلْكَرِيْمُ بہت کرم کرنے والا، اَلرَّقِيْبُ بڑا نگہبان، اَلْمُجِيْبُ ہر ایک کی دعا کو قبول کرنے والا، اَلْوَاسِعُ وسعت و فراخی عطا کرنے والا، اَلْحَكِيْمُ حکمت و تدبر والا، اَلْوَدُوْدُ بہت محبت کرنے والا، اَلْمَجِيْدُ عالی مرتبت اور بزرگی والا، اَلْبَاعِثُ موت کے بعد زندگی عطا کرنے والا، اَلشَّهِيْدُ حاضر و موجود، اور مشاہدہ فرمانے والا، اَلْحَقُّ سچا، سچائی اور حق کا مالک، اَلْوَكِيْلُ جملہ اُمور میں کارساز، اَلْقَوِيُّ بہت طاقت ور، اَلْمَتِيْنُ بہت مضبوط اور شدید قوت والا، اَلْوَلِيُّ دوست اور حمایت فرمانے والا، اَلْحَمِيْدُ لائقِ تعریف، اچھی خوبیوں والا، اَلْمُحْصِي کائنات کی ہر شے کو شمار میں رکھنے والا، اَلْمُبْدِئُ آفرینش کی ابتداء کرنے والا، اَلْمُعِيْدُ دوبارہ پیدا کرنے والا، اَلْمُحْيِي زندگی عطا کرنے والا، اَلْمُمِيْتُ موت دینے والا، اَلْحَيُّ ہمیشہ زندہ رہنے والا، اَلْقَيُّوْمُ سب کو اپنی تدبیر سے قائم رکھنے والا، اَلْوَاجِدُ وجود عطا فرمانے والا، اَلْمَاجِدُ عظمت اور بزرگی والا، اَلْوَاحِدُ یکتا، اَلصَّمَدُ بے نیاز، سب کا مرکز نیاز، اَلْقَادِرُ قدرت و طاقت والا، اَلْمُقْتَدِرُ قدرتِ کاملہ کا مالک، اَلْمُقَدِّمُ آگے کرنے والا/ بڑھانے والا، اَلْمُؤَخِّرُ پیچھے رکھنے والا، اَلْاَوَّلُ سب مخلوقات اور موجودات سے پہلے، اَلْاٰخِرُ سب موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا، اَلظَّاهِرُ اپنی قدرت کے اعتبار سے ظاہر، اَلْبَاطِنُ اپنی ذات کے اعتبار سے پوشیدہ، اَلْوَالِي تصرف اور اختیار کا مالک، اَلْمُتَعَالِي بلند و برتر، اَلْبَرُّ اچھائی اور بھلائی فرمانے والا، اَلتَّوَّابُ زیادہ توبہ قبول کرنے والا، اَلْمُنْتَقِمُ بدلہ لینے والا، اَلْعَفُوُّ معاف فرمانے والا، اَلرَّؤُوْفُ نہایت مہربان، مَالِكُ الْمُلْكِ سب سلطنت اور حکمرانی کا مالک، ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ عظمت اور بزرگی والا، اَلْمُقْسِطُ عدل و انصاف کرنے والا، اَلْجَامِعُ جمع کرنے والا، اَلْغَنِيُّ بے پرواہ و بے نیاز، اَلْمُغْنِي بے نیاز کر دینے والا، اَلْمَانِعُ روکنے والا، اَلضَّارُّ نقصان کا مالک، اَلنَّافِعُ نفع کا مالک، نفع عطا فرمانے والا، اَلنُّوْرُ نور، اَلْهَادِي ہدایت دینے والا، اَلْبَدِيْعُ بے مثال موجد، عدم سے وجود میں لانے والا، اَلْبَاقِي ہمیشہ رہنے والا، اَلْوَارِثُ وارث و مالک، اَلرَّشِيْدُ نیکی اور راستی کرنے والا اور اَلصَّبُوْرُ بہت زیادہ مہلت دینے والا ہے۔ (ترمذی، ابن حبان، طبرانی اور بیہقی)

اسمائے حسنیٰ کی اہمیت: اسماء حسنیٰ کی معرفت بڑی اہمیت کا حامل ہے جو مندرجہ ذیل نقاط سے واضح ہوتی ہے:

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ، اس کے اسماء حسنی اور صفات کا علم مطلق طور پر سب سے اعلیٰ اور اشرف علم ہے، یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کا علم ہے، تو اس علم کے حصول میں مشغول ہونا اور ان کا فہم حاصل کرنا بندے کے لیے سب سے اعلیٰ اور اشرف کام ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کی محبت اختیار کی جائے، اور دل میں اسی کا خوف رکھا جائے، اسی سے امیدیں وابستہ کی جائیں اور اسی اللہ تعالیٰ کے لیے ہی اپنے اعمال کو خالص کیا جائے، جو کہ سعادت اور عین عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس وقت ہی حاصل ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کی معرفت حاصل ہو اور ان کے معانی کو سمجھا جائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی ایمان کی معرفت میں زیادتی کا باعث ہیں، اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی پر ایمان لانا اور ان کی معرفت توحید کی تینوں اقسام: توحید ربوبیت اور توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات کو متضمن ہے۔ یہ ایمان کی اصل اور اس کی غایت ہے، لہٰذا بندے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی اور اس کی صفات کی معرفت حاصل کریں گے تو ان کا ایمان بھی اتنا ہی زیادہ قوی ہوگا۔ (التوضیح والبیان لشجرۃ الایمان للسعدی ص 41)

۴۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق پیدا ہی اس لیے کی ہے کہ وہ اسے پہچانیں اور اس کی عبادت کریں اور یہی وہ چیز ہے جو کہ ان سے انتہائی درجہ میں مطلوب ہے۔ "رسولوں کی دعوت کا لب لباب اور اس کی کنجی معبود برحق کی معرفت وپہچان اس کے اسماء وصفات اور افعال کے ساتھ ہے۔ اسی معرفت پر رسالت کی شروع سے لیکر آخر تک بنیاد اور دارومدار ہے۔" (الصواعق المرسلۃ علی الجھمیۃ والمعطلۃ لابن قیم رحمہ اللہ 1/150-151)

اسمائے حسنیٰ کی تعداد: کیا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ صرف ننانوے ہیں؟ یا ان کی تعداد ننانوے سے زیادہ ہے؟ بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: (اللہ تعالیٰ کے ننانوے [یعنی] ایک کم سو نام جس نے یاد کیے جنت میں داخل ہو جائے گا۔ کچھ علمائے کرام نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام صرف ننانوے ہی ہیں۔ جب کہ علامہ نوویؒ نے علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ صرف ننانوے نہیں ہیں اور دلیل مسند احمد کی روایت سے لی ہے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (جب کسی شخص کو کوئی دکھ یا غم لاحق ہو تو وہ کہے: اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ ، وَابْنُ عَبْدِكَ ، وَابْنُ أَمَتِكَ ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ ، أَوْ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي ، وَنُورَ صَدْرِي ، وَجِلَاءَ حُزْنِي ، وَذَهَابَ هَمِّي۔

ترجمہ: "اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، اور تیرے بندے اور باندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، میری ذات پر تیرا ہی کا حکم چلتا ہے، میری ذات کے متعلق تیرا فیصلہ سراپا عدل وانصاف ہے، میں تجھے تیرے ہر اس نام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جو تو نے اپنے لیے خود تجویز کیا، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو وہ نام سکھایا، یا اپنی کتاب میں نازل فرمایا، یا اپنے پاس علم غیب میں ہی اسے محفوظ رکھا کہ تو قرآن کریم کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور، غموں کے لیے باعث

کشادگی اور پریشانیوں کے لیے دوری کا ذریعہ بنادے۔" تو اللہ تعالیٰ اس کے سب دکھ اور غم مٹا دیتا ہے، اور اس کی مشکل کشائی فرماتا ہے۔ تو کسی نے کہا: رسول اللہ ﷺ ! کیا ہم یہ دعا سیکھ نہ لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (کیوں نہیں، جو بھی اسے سنے اسے چاہئے کہ اس دعا کو سیکھ لے۔ (سلسلۃ صحیحۃ رقم 199)

اسمائے حسنیٰ کی حقیقت: اللہ تعالیٰ نے جو اسماء اور صفات اپنے لیے خود ثابت کیے ہیں یا پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کا اثبات کیا ہے، ان پر بغیر کسی کیفیت، تمثیل، تحریف اور تعطیل کے ایمان لانا واجب ہے۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ہم یقین اور ایمان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا، جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سماعت، بصارت، علم اور حکمت شامل ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں آسمان پر مستوی ہونا، آسمان دنیا تک اللہ تعالیٰ کا آنا، خوش ہونا، مسکرانا، غصہ ہونا اور رضامندی کا اظہار کرنا بھی شامل ہیں۔ نیز یہ بھی ماننا کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ اور اللہ کے دو ہاتھ بھی ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں یہ باتیں بتلائی ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی بتایا ہے۔

اہل ایمان اللہ کی کسی بھی صفت کی نفی نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کی ہے، نہ ہی تحریف کرتے ہیں، نہ ہی الحاد کا شکار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے مخلوق کی صفات کی مثالیں اور کیفیت ذکر نہیں کرتے؛ کیونکہ ذات باری تعالیٰ ایسی ذات ہے جس کا کوئی ہم نام نہیں، کوئی اس کا ہم سر نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ * وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ * وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ "تیرا رب جو کہ رب العزت ہے وہ لوگوں کی باتوں سے بالکل مبرا ہے ☆ سلامتی ہو تمام رسولوں پر ☆ اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔" [الصافات: 180-182]

ہم ایک اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کو جانتے ہیں، جب کہ دوسرے اعتبار سے ہم لاعلم ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کے ثابت ہونے کے اعتبار سے انہیں ہم جانتے ہیں، اس کا مفہوم بھی سمجھتے ہیں لیکن اس کی کیفیت اور حقیقت نہیں جانتے۔ نیز یہ بھی ہے کہ یہ معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات ہی میں نہیں ہے بلکہ ہر غیر مشاہداتی اور غیبی چیز کے بارے میں ہے، مثلاً: جنت کی نعمتیں وغیرہ کہ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ جنت میں شراب اور شہد ہوں گے، ہمیں ان کے مفہوم کا اس حد تک علم ہے جس حد تک ہم نے ان دونوں چیزوں کو دنیا میں دیکھا ہوا ہے، لیکن دوسری طرف ہم یہ بھی یقینی طور پر کہتے ہیں کہ: جنت کی شراب اور شہد دنیاوی شراب اور شہد جیسے نہیں ہیں۔

اسماء اور صفات میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ سے ثابت ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لائق اور اس کے شایان شان ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ایمان ہونا چاہئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں مخلوق کے مشابہ نہیں اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی مخلوق کے مشابہ نہیں۔ اس پر ہمیں کامل یقین ہونا چاہیے۔

سوال نمبر۱: ارکان ایمان کیا کیا ہیں؟

سوال نمبر ۲:۔ درج الفاظ کی ضد لکھیں:

برتر نقص فراخی سعادت نفی نعمت

سوال نمبر ۳:۔ درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کریں۔

نگہبانی صراط مستقیم تحریف الحاد یقین کامل ذات باری تعالی

سوال نمبر ۴:۔ اسمائے حسنیٰ کو بیان کرنے والی کوئی دو آیات بیان کیجیے:

سوال نمبر ۵:۔ آیت الکرسی میں اللہ کی کتنی صفات بیان کی گئی ہیں اور کون کون؟ ایک ترتیب سے درج کیجیے:

سوال نمبر ۶:۔ اسماء اور صفات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ایک جدول کی مدد سے بیان کیجیے:

مشق (۱) اسمائے حسنیٰ پر مشتمل ایک خوب صورت وال پیپر اپنے ریڈنگ روم میں لگائیں اور روزانہ کم از کم ایک بار اسے ضرور دوہرائیں۔

....

سبق نمبر ۵

اردو نثر کی تاریخ

اردو زبان کی پیدائش، فروغ اور تہذیب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کسی منصوبہ بندی کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک لالۂ خود رو ہے جس نے اپنی غذا عوام سے حاصل کی اور اپنے اثمار بلاامتیاز خواص و عوام میں تقسیم کیے۔ اردو اپنے آغاز میں تجارتی و کاروباری زبان کی صورت میں ابھری، لیکن ادبی زبان سب سے پہلے شاعری میں نمایاں ہوئی۔ اسے ابتدائی فروغ وترقی جنوبی ہند میں حاصل ہوا۔

اردو نثر کا ارتقاء: اردو نثر کی باقاعدہ شروعات دکن سے ہوئی۔ البتہ بول چال کی زبان وہاں شمالی ہندوستان سے پہنچی۔ علاؤالدین خلجی پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس کی فوجیں دلی سے دکن پہنچیں اور وہاں کے بہت بڑے علاقہ پر اپنا پرچم لہرا یا۔ یہ بات تیرھویں صدی عیسوی کی ہے۔ ان فوجیوں کے ساتھ ہر طرح کے لوگ تھے، ان میں صوفی بھی تھے اور مختلف پیشہ ور بھی۔ یہ سب اپنے ساتھ بول چال کی ایک کھچڑی زبان لے گئے تھے۔ ان میں بہت سے صوفی، درویش، تاجر، پیشہ ور لوگ تھے جو دکن میں جا کر بس گئے اور یہی ملی جلی زبان بولتے تھے جسے آج اردو کہا جاتا ہے۔ اس زبان پر پنجابی، ہریانی اور کھڑی بولی کا اثر تھا اور اس میں عربی و فارسی کے بہت سے لفظ بھی شامل تھے۔ یہ زبان ہندی، ہندوستانی، دکنی اور مختلف ناموں سے پکاری جاتی رہی۔

چودھویں صدی عیسوی میں جب محمد تغلق نے دیوگری کو دولت آباد نام دے کر اپنا دارالسلطنت بنایا تو دہلی کے زیادہ تر باشندوں کو اس کے ساتھ دکن جانا پڑا، کچھ عرصہ بعد دار السلطنت پھر شمالی ہند میں منتقل ہو گیا لیکن علماء، صوفیاء کرام، اور دوسرے لوگوں کی بہت بڑی تعداد ایسی تھی جنہوں نے وہیں بس جانے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح شمالی ہند کی ملی جلی بولی کو، جسے آگے چل کر ہندی، ہندوستانی، دکنی کہا گیا دوسری بار دکن میں قدم جمانے کا موقع ملا۔

چودھویں صدی عیسوی کے آخر میں دکن میں بہمنی سلطنت قائم ہوئی۔ بول چال کی اس زبان کو جو آج اردو کہلاتی ہے، بہمنی سلطنت کے زیر سایہ پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا۔ تاریخ کی کتاب تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سرکاری کاموں کے لیے یہی زبان استعمال ہوتی تھی۔

وہاں اسے مقبول بنانے میں صوفیائے کرام کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ ان صوفیوں میں پہلا نام خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا ہے۔ اپنے پیام محبت کو عام کرنے کے لیے انہوں نے دور دور کا سفر طے کیا۔ 1339ء میں دلی سے گلبرگہ پہنچے یہاں ان کے عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ پیدا ہو گیا جن کی رہنمائی کے لیے وہ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس وعظ کی زبان بول چال کی عام زبان ہوتی تھی جو اس وقت ہندی یا دکنی کہلاتی تھی اور آج اردو کہی جاتی ہے۔ ان کے اقوال اور نصائح نے تحریر کی شکل بھی اختیار کی، اس طرح متعدد کتابیں وجود میں آئیں۔ ایک کتاب "معراج العاشقین" موجود ہے جو ان کے نام سے منسوب ہے، اسی طرح ان کی کتاب "شکارنامہ" بھی اردو زبان میں لکھی گئی جو مشہور ہوئی۔

بیجاپور کو ایک بزرگ میراں جی شمس العشاق نے اپنے تبلیغی کام کا مرکز بنایا۔ انہوں نے اپنے تبلیغی افکار کو عام بول چال کی زبان یعنی اردو میں قلم بند کیا۔ کئی مختصر کتابیں ان سے منسوب ہیں، ان میں سب سے اہم "مرغوب القلوب" ہے۔ میراں جی نے جو سلسلہ شروع کیا تھا اسے ان کے بیٹے برہان الدین جانم نے جاری رکھا۔ "کلمتہ الحقائق" "ہشت سائل" اور "ذکر جلی" ان کی نثری تصانیف ہیں۔ ان صوفیائے کرام کا پیغام دور دور تک پھیلا اور اس کے ساتھ ہی اردو کی ابتدائی شکل نے دکن میں خوب فروغ پایا۔

اردو نثر کے فروغ میں سترھویں صدی کو سنگ میل کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس صدی کے وسط کے ایک نامور شاعر و نثر نگار "وجہی" نے اپنی تخلیقات کے انمول سرمائے سے اردو ادب کو مالا مال کر دیا۔ انھوں نے 1635ء میں اپنی نثری تصنیف "سب رس" مکمل کی۔ یہ ایک فارسی کتاب کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ یہ ایک تمثیل ہے، حسن اور عشق، عقل اور دل، قلب اور نظر وغیرہ کو مجسم مان کر ایک ایسی داستان پیش کی گئی ہے جس سے اخلاقی تعلیم ملتی ہے۔ سب رس کا اسلوب بہت عمدہ ہے، اس میں غیر معمولی سادگی اور دلکشی پائی جاتی ہے۔ گویا مواد اور اسلوب دونوں اعتبار سے ملا وجہی کی یہ کتاب "سب رس" قدیم اردو نثر کا شاہکار ہے۔

ساتھ ہی ساتھ ادھر شمالی ہند میں بھی اردو کی مقبولیت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ بول چال کی زبان کے طور پر تو اس نے ایسا مقام حاصل کر لیا کہ کوئی اور زبان اس کے مدمقابل نہ رہی۔ معروف ادیب، شعراء اور افسانہ و ناول نگار پیدا ہوئے۔

اورنگ زیب اور بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں میر جعفر زٹلی نے فارسی اور اردو کی ملی جلی زبان میں جو مزاحیہ انداز کے شعر کہے یا یوں بول چال کی نثر میں جو چھوٹے چھوٹے فقرے اور جملے کہے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نئی زبان اپنی مقبولیت و توانائی کا ثبوت دینے لگی تھی۔

فضل علی فضلی کی "کربل کتھا" شمالی ہند کی پہلی نثری کتاب ہے جو 1731ء میں مکمل ہوئی۔ 17 سال بعد فضلی نے اس پر نظر ثانی کی اور حذف و اضافہ کے بعد یہ کتاب غیر ارادی طور پر ایک ایسی کتاب ثابت ہوئی جسے اردو نثر کے ارتقاء میں ایک سنگ میل کہا جاتا ہے۔

قدیم اردو نثر کا ایک اہم نمونہ سودا کا دیباچہ ہے جو انہوں نے اپنے مجموعہ مراثی پر لکھا ہے۔ اس پر فارسی نثر کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ زبان مقفی ہے اور فارسی و عربی الفاظ کی کثرت ہے۔ اس دیباچے نے بھی اردو نثر کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا۔

قدیم اردو نثر کے ارتقاء میں کلام پاک کے دو تراجم کا بھی ذکر ضروری ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی کے ایک لائق احترام بزرگ تھے۔ کلام پاک کے یہ دونوں ترجمے ان کے دو بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر کے قلم سے 1784ء اور 1790ء میں وجود میں آئے۔ مقصد یہ تھا کہ عربی سے واقفیت نہ رکھنے والے قرآن کریم کے مطالب سے واقف ہو سکیں۔ اس طرح ان تراجم کی وجہ سے بھی اردو نثر کو کافی تقویت ملی۔ اردو نثر کی ترقی میں صوبہ بہار نے بھی قابل ذکر خدمات انجام دی۔ زمانہ قدیم سے لے کر عہد حاضر تک اردو زبان اس خطہ ہند کے احسان سے گراں بار ہے کہ یہاں تسلسل کے ساتھ اردو شعر و ادب کی خدمت کی جاتی رہی ہے۔ سترہویں صدی عیسوی سے ہی یہاں اردو نثر اور نظم کے نمونے ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ابتدائی تخلیقات زیادہ تر مذہبی نوعیت کی ہیں۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں اردو نثر کی جو سب سے اہم کتاب وجود میں آئی وہ میر حسین عطا تحسین کی "نوطرز مرصع" ہے۔ یہ ایک فارسی داستان قصہ چہار درویش کا ترجمہ ہے۔ تحسین کا وطن اٹاوہ تھا، لیکن ملازمت کے سلسلے میں کافی عرصہ کلکتہ میں قیام رہا۔ وہ فارسی زبان و ادب کا اچھا علم رکھتے تھے، اسی کی بدولت نواب شجاع الدولہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ تحسین کئی فارسی کتابوں کے مصنف ہیں مگر جس کارنامے نے انہیں زندہ جاوید بنا دیا وہ "نوطرز مرصع" ہے۔ اس کا اسلوب رنگین اور مقفی ہے۔ اردو نثر کی تاریخ میں اس کتاب کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ہے اٹھارہویں صدی عیسوی تک اردو نثر کے ارتقاء کی مختصر کہانی۔

اس کے بعد فورٹ ولیم کالج اور دہلی کالج نے اردو نثر کے ارتقاء میں بے حد خدمات انجام دیں، بلکہ بعض ادیبوں کا ماننا ہے کہ حقیقی اردو نثر کی ابتدا فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے ہوتی ہے، یہ بات سچ ہو یا نا ہو مگر اسے بام عروج پر پہنچانے میں اس کا کلیدی کردار رہا ہے۔

ادبی نقطہ نظر سے اردو کی قدیم کتابوں میں ملا وجہی کی تصنیف "سب رس" کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کتاب سے اردو نثر کو نہ صرف تخلیقی اظہار کی راہ مل گئی بلکہ اب اردو نثر کو فارسی کی نثر کی سطح پر لانے کی کوشش بھی شروع ہو گئی۔ ملا وجہی سے پہلے کی بیشتر تصنیفات مذہبی نوعیت کی ہیں اور ان کا مقصد نظریاتی مسائل اور مذہبی اعتقادات کے بیان سے زیادہ کچھ نہیں۔ ملا وجہی نے ایک خیالی قصے کو ادبی شان سے پیش کیا اور رنگارنگ مواد کی مدد سے اردو زبان کی لسانی خوبیوں کو اجاگر کر دیا۔ چناں چہ وجہی کو اردو نثر کے ان نمائندہ ادبا میں شمار کیا گیا ہے جن کا اسلوب نہ صرف موضوع پر چھایا ہوا ہے بلکہ جنہیں عہد آفریں بھی کہا جا سکتا ہے اور جو ایک مخصوص علاقے اور ایک خاص دور کے ممتاز نمائندہ بھی ہیں۔ شمالی ہندوستان میں اردو نثر کی کتاب "کربل کتھا" یا "دہ مجلس" محمد شاہی عہد میں فضلیؔ نے لکھی۔ محمد حسین آزادؔ نے اسے اردو کی پہلی نثری تصنیف شمار کیا ہے۔ لیکن جدید تحقیق نے دکن کے بہت سے قدیم مخطوطات کو دریافت کر لیا ہے اور "معراج العاشقین" کی اشاعت سے اردو نثر کے فروغ کی اولیت بھی دکن ہی نے حاصل کر لی ہے۔ فضلیؔ اردو کے بجائے فارسی اسلوب سے زیادہ متاثر تھا۔ اس کے جملے گنجلک اور نثر کا اسلوب مقفّٰی ہے۔ جملوں کی استخوان بندی میں بھی سلاست اور سادگی نظر نہیں آتی۔ چناں چہ اسے اردو نثر کا نمائندہ اسلوب قرار دینا ممکن نہیں۔ میرزا رفیع سوداؔ کے دیوان مرثیہ کا دیباچہ اس دور کی نثر کا ایک اور نمونہ پیش کرتا ہے۔ سوداؔ کی نثر کو دیکھ کر یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ اردو کو فارسی کے ہم پایہ بنانے کے لیے اس زمانے میں کتنی کدوکاوش کی جا رہی تھی۔ سوداؔ نے شاعری کے اسلوب کو نثر میں برقرار رکھنے کی کوشش کی اور عبارت کو زور دار بنانے کے لیے قوافی کا استعمال بھی کیا ہے۔

قدیم اردو نثر کے کچھ اقتباسات:۔ قدیم اردو نثر کی خصوصیات سادگی، روانی اور بے تکلف اظہار ہیں۔ یہ نثر فارسی اور عربی اثرات کے ساتھ اردو زبان کی ابتدائی شکلوں میں نظر آتی ہے۔ یہاں قدیم اردو نثر کے کچھ اہم اقتباسات اور نمونے پیش کیے جا رہے ہیں:

ملا وجہی (سب رس، 1635):۔

"دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اس میں آیا، اپنے مطلب کو پہنچا اور گیا۔ دنیا میں جینے کا مطلب یہی ہے کہ نیکی کا کام کرو اور بدی سے بچو۔"

قلی قطب شاہ:۔ "پیارا دوست جو دنیا میں رہے، اس کا دل ہمیشہ غم سے بھرا رہے۔ دنیا ایک سرائے ہے، جو آیا، وہ گیا۔"

مرزا کاظم علی جوان:۔

"دل کا چین وہی ہے جو اپنے دل کو خوش رکھے اور دوسروں کے دل کو غم میں نہ ڈالے۔ انسان کو چاہیے کہ دنیا کو کھیل سمجھ کر اپنی آخرت سنوارے۔"

یہ اقتباس اس وقت کے مذہبی اور اخلاقی تعلیمات کا عکاس ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی (فوائد الحرمین):۔

"علم کے بغیر انسان کا دل ایک مردہ جسم کی مانند ہے۔ علم ہی وہ نور ہے جو دل کو روشنی دیتا ہے اور انسان کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔" شاہ ولی اللہ کی تحریروں میں مذہبی اور فلسفیانہ انداز نمایاں ہے، جو قدیم اردو نثر کی علمی روایت کو واضح کرتا ہے۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی:۔ "لفظ کا سلیقہ سیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ دل کو سچائی کے آئینے میں دیکھو اور زبان کو اس کی پیروی کا حکم دو۔"

بقول آل سرور "میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اردو، اردوئے معلّیٰ اور اردئے مصفّیٰ میں فرق کرنا چاہیے۔ یعنی جب ہم اردو میں عجم کے حسن طبیعت اور عرب کے سوز دروں پر اصرار کرتے ہیں تو اس کے ساتھ بلکہ اس سے پہلے ہمیں اردو کی ہندوستانی بنیاد پر اصرار کرنا چاہیے اور زبان کے قواعد اور افعال، حروف جار اور ضمائر کی نوعیت کو فراموش نہ کرنا چاہیے۔ میرے نزدیک خسؔرو سے لے کر آج تک کا سارا لسانی سرمایہ ہمارا ہے۔ متروکات اور اصلاحِ زبان کے پیچھے جو نظریہ تھا وہ زبان کی جینس کا کام اور خواص پرستی کا زیادہ آئینہ دار تھا"۔

وہ مزید فرماتے ہیں کہ "اردو زبان اپنے ارتقا کے دوران مختلف مراحل سے گذری ہے۔ بازار کا چلن، صوفیوں کا پیام محبت اور دربار کی رنگینی اور مستی سب نے مل کر اس کا رنگ بنایا ہے۔ وجہی کی سب رس، قلی قطب شاہ کی شاعری، ولی کا تغزل، میر و سودا کی تازہ کاری اور لالہ کاری، نظیر کا اپنی تہذیب سے عشق، غالب کا گنجینۂ معنی کا طلسم، حالی کی سادگی، جوش اور اصلیت، سرسید کا

سوز، ابوالکلام آزاد کا غبارِ خاطر، اقبال کا صحیفہ کائنات، پریم چند کی آدرشی حقیقت نگاری، شوق قدوائی کا عالم خیال اور آرزو لکھنوی کی سریلی بانسری سب مل کر اردو کی قوس قزح بناتے ہیں"۔

مشق و سوالات:۔

(الف) اپنے استاد کی مدد سے درج ذیل الفاظ کے معانی لکھیں:۔

لطافت فصاحت بلاغت محاورہ زینت بذلہ سنجی لالہ خودرو افکار تخلیقات مقفیٰ

(ب) درج ذیل سوالات کے جواب بتائیں:۔

سوال نمبر ۱:۔ اردو نثر کسے کہتے ہیں؟

سوال نمبر ۲:۔ اردو نثر کا فروغ کب اور کیسے ہوا؟

سوال نمبر ۳:۔ اردو نثر کے کچھ نمونے اپنے استاد کی مدد سے معلوم کریں اور کاپی میں قلم بند کریں

سوال نمبر ۴:۔ اردو زبان کے کم سے کم ۱۰ مشہور مقولے نوٹ کریں اور انہیں یاد بھی کریں۔

سوال نمبر ۵:۔ اردو نثر کی ترقی میں جن صوفیاء اور قرآن کے ترجموں کا کردار ہے ان کی ایک لسٹ بنائیں

(ج) پروجکٹ:۔ اردو زبان میں نیپال میں بہت سے میگزین اور معروف علماء کی کتابیں شائع ہوئی ہیں، اپنی لائبریری اور اردو کے استاد کی مدد سے ۲۰ کتابوں اور ان کے مصنفین کی فہرست تیار کریں، اسی طرح کم سے کم ۱۰ رسالوں کے نام بھی لکھیں۔

سبق نمبر ۶

نعت پاک

حفیظ میرٹھی

بحر و بر پر چھا گئی عظمت رسول اللہ کی
مرحبا یہ شان یہ شوکت رسول اللہ کی

پیروی باطل کی اور مدحت رسول اللہ کی
کیا منافق ہو گئی امت رسول اللہ کی

اہلِ ایماں پر ستم کی انتہاء کرنے کے بعد
کفر نے تسلیم کی طاقت رسول اللہ کی

لہلہا اٹھیں عرب میں دینِ حق کی کھیتیاں
فضل ہے اللہ کا محنت رسول اللہ کی

بزمِ ہستی کے لئے شمعِ فروزاں بن گئے
جن صحابہ کو ملی قربت رسول اللہ کی

اب مسلمانوں میں جانے کیوں نظر آتی نہیں
وہ حیا وہ شرم وہ غیرت رسول اللہ کی

آپ کا ظاہر حسیں ہے آپ کا باطن حسیں
آئینہ ہے جلوت و خلوت رسول اللہ کی

جس کا جی چاہے کسی رخ سے اٹھا کر دیکھ لے
کس قدر بے داغ ہے سیرت رسول اللہ کی

کیا کرے گا مال و زر لے کر حفیظؔ میرٹھی
بخش دے یارب اسے الفت رسول اللہ کی

سوال نمبر ا:۔ حفیظ میرٹھی کا تعارف پانچ سطروں میں لکھیے:
سوال نمبر ۲:۔ نعت کے پہلے اور دوسرے بند کا مفہوم بیان کیجیے:
سوال نمبر ۳:۔ مقطع میں شاعر نے اپنی مراد کیا بیان کی ہے؟
سوال نمبر ۴:۔ اس نعت میں صحابہ کرامؓ کی کیا خوبی بیان کی گئی ہے؟
سوال نمبر ۵:۔ اس بند کو سیرت کے واقعات سے جوڑیئے:
جن صحابہ کو ملی قربت رسول اللہ کی بزمِ ہستی کے لئے شمعِ فروزاں بن گئے
مشق(۱) اس نعت کو زبانی یاد کرلیں اور اجتماعی طور پر سنائیں:
مشق(۲) اس نعت سے پانچ مشکل الفاظ نکالیں اور ان کا معنی فیروز اللغات کی مدد سے لکھ کر لائیں:
مشق(۳) حفیظ میرٹھی کے اشعار کی کچھ خوبیاں بیان کیجیے اور مثال بھی دیجیے:

سبق نمبر ۷

نظام شمسی اللہ کی قدرت کا عظیم مظہر

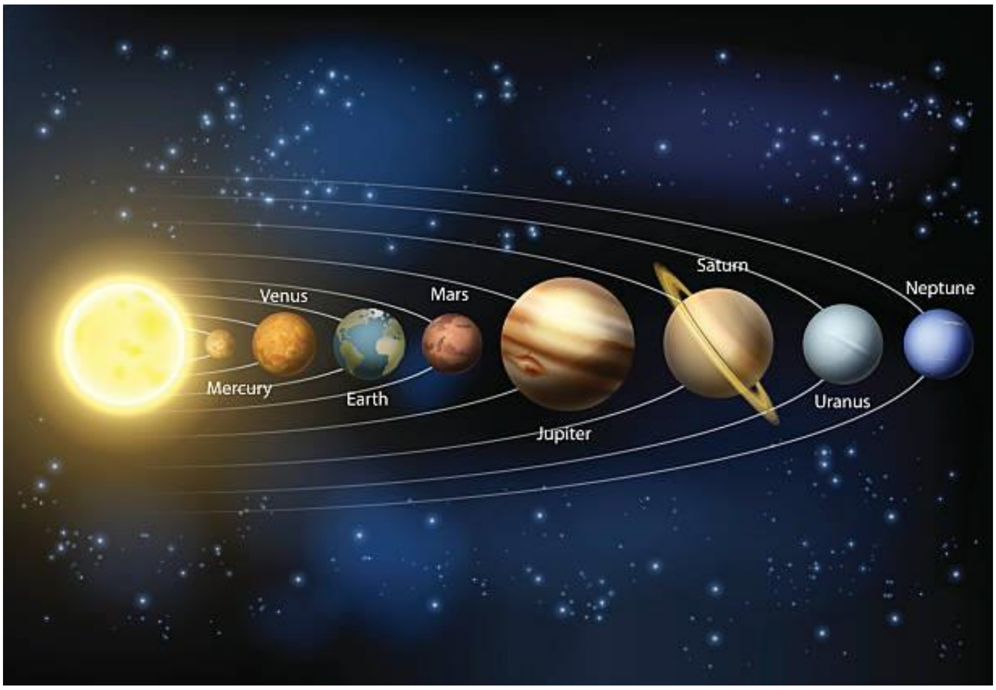

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق فرمائی، آسمان کو ستاروں اور سیاروں سے مزین کیا، اللہ ہی پوری کائنات کا خالق ہے، اسی نے اس میں کروڑوں بلکہ بے شمار مخلوقات پیدا کیے، پھر اس کائنات کی چیزوں کو انسانوں کی خدمت پر مامور کیا۔ یہ پورا نظام کائنات اللہ کے عجائبات میں سے ہے۔ ان نظاموں میں سے ایک نظام شمسی بھی ہے۔ جب ہم آسمان میں نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ لاکھوں ستاروں اور سیاروں سے جھلمل کرتا اور روشن نظر آتا ہے اور تاحد نگاہ ستاروں کے جھرمٹ میں بڑے ستارے چاند اور سورج نگاہوں کو خیرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ آیئے آج ہم اس نظام شمسی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرتے ہیں۔

نظام شمسی (Solar System) وہ نظام ہے جس میں زمین سمیت کئی سیارے، سیارچے اور دوسری خلا میں موجود اجسام شامل ہیں، جو سورج کے گرد گردش کرتے ہیں۔ یہ نظام ہماری کہکشاں، ملکی وے (Milky Way) کا حصہ ہے۔

سورج:۔ نظام شمسی کا مرکزی ستارہ سورج ہے۔ سورج ایک گیسی گیند ہے جو زیادہ تر ہائیڈروجن اور ہیلیم پر مشتمل ہے اور اس کی کشش ثقل کی طاقت باقی سیاروں کو اپنے گرد گھومنے پر مجبور کرتی ہے۔ سورج کی روشنی اور حرارت زمین پر زندگی کے لیے

ضروری ہے۔ اسی سے دن ورات کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ یہ پھلوں اور فصلوں کو تپش فراہم کرتا ہے اور پکاتا ہے، زندگی میں توانائی فراہم کرتا ہے۔

سورج جو ہماری زمین کے لیے روشنی اور حرارت کا بنیادی ذریعہ ہے، بہت معمولی درجے کا ایک ستارہ ہے۔ یہ کہکشاں کے مرکز سے 30 ہزار نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے۔ سورج نظامِ شمسی کا مرکز ہے، جس میں 9 بڑے سیاروں، اور اُن کے چاندوں سمیت سیاروں کے مابین واقع چھوٹے اَجسام، ہزاروں سیارچے، دُمدار تارے اور شہابیئے شامل ہیں۔

سورج کے مرکز میں ایک بڑا نیوکلیائی ری ایکٹر ہے، جس کا درجۂ حرارت کم از کم ایک کروڑ 40 لاکھ سینٹی گریڈ (2 کروڑ 50 لاکھ فارن ہائیٹ) ہے۔ سورج نیوکلیائی فیوژن کے ذریعہ توانائی پیدا کرتا ہے، (نیوکلیائی فیوژن سے مراد وہ عمل ہے) جس سے ہائیڈروجن، ہیلیئم میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ توانائی کا اِخراج بھی کرتی ہے۔

سورج 40 لاکھ ٹن فی سیکنڈ کی شرح سے توانائی کا اِخراج کر رہا ہے۔ تاہم اُس کی کل کمیّت 210 ٹن ہے، جو زمین کی کمیّت کا 3,30,000 گنا اور نظامِ شمسی کے تمام سیاروں کی کمیّت کا 745 گنا ہے۔ سورج کا قطر 13,92,000 کلومیٹر ہے، جو زمین کے قطر سے 109 گنا (بڑا) ہے۔

سیارے:۔ نظام شمسی میں سورج کے علاوہ آٹھ بڑے بڑے سیارے ہیں، جو سورج کے گرد اپنی خاص مداروں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

1۔ عطارُد (Mercury):۔ یہ سورج کے سب سے قریب اور سب سے چھوٹا سیارہ ہے۔ اس کی سطح بہت گرم ہوتا ہے اور اس پر کوئی ماحول نہیں ہوتا۔

2. زُہرہ (Venus):۔ زہرہ دوسرا سیارہ ہے جو سائز اور ساخت میں زمین سے مشابہت رکھتا ہے لیکن اس کا ماحول بہت کثیف اور گرم ہے۔

3. زمین (Earth):۔ زمین تیسرا سیارہ ہے اور یہ وہ واحد سیارہ ہے جہاں زندگی موجود ہے۔ اس کا ماحول اور پانی زندگی کی بقا کے لیے ضروری ہے۔

4. مریخ (Mars):۔ مریخ چوتھا سیارہ ہے اور اسے سرخ سیارہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں پر پانی کے آثار ملے ہیں اور یہ سائنسدانوں کے لیے تحقیق کا اہم مرکز بنا ہوا ہے۔

5. مشتری (Jupiter):۔ مشتری سب سے بڑا سیارہ ہے اور یہ گیسوں کا دیو ہیکل گیند ہے۔ اس کے گرد کئی چاند ہیں اور یہ اپنے خاص نظام میں ایک چھوٹا سا نظام شمسی کی طرح دکھائی دیتا ہے۔

6. زحل (Saturn): زحل چھٹا سیارہ ہے جو اپنے خوب صورت حلقوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ حلقے برف اور چٹانوں کے ٹکڑوں پر مشتمل ہیں۔

7. یورینس (Uranus): یورینس ساتواں سیارہ ہے اور یہ اپنے محور پر افقی طور پر گھومتا ہے، جو دیگر سیاروں سے منفرد ہے۔
8. نیپچون (Neptune): نیپچون آٹھواں اور دور ترین سیارہ ہے۔ یہ سرد اور گیسی ہے اور اس کی سطح پر تیز ترین ہوائیں چلتی ہیں۔

بونے سیارے (Dwarf Planets):۔ نظام شمسی میں کئی بونے سیارے بھی ہیں جیسے پلوٹو، سیریز، اور ایرس، جو سورج کے گرد گردش کرتے ہیں مگر ان کا سائز بہت چھوٹا ہوتا ہے۔

چھوٹے اجرام فلکی: نظام شمسی میں سیارچے، دم دار ستارے اور چھوٹے اجسام بھی شامل ہیں جو مختلف مداروں میں گردش کرتے ہیں۔ سیارچے پتھریلے اور دھاتی اجسام کے ہوتے ہیں جب کہ دم دار ستارے برف اور دھول پر مشتمل ہوتے ہیں۔

نظام شمسی ایک پیچیدہ اور دل چسپ نظام ہے جس میں مختلف اجسام سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ اس کی تحقیق اور مطالعہ نے ہمیں خلا کی گہرائیوں کو سمجھنے میں مدد دی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات میں کتنی وسعت اور تنوع موجود ہے۔

اللہ کی قدرت اور حکمت:۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ' کی تخلیق کی عظمت اور حکمت کو بار بار بیان کیا گیا ہے، بطور خاص اس میں کائنات، نظام شمسی اور دیگر اجرام فلکی کی تخلیق اللہ کی قدرت کی نشانیوں کے طور پر پیش کی گئی ہے تاکہ انسان اللہ کی عظمت کو پہچان سکے اور اس پر ایمان لائے۔

سورج اور چاند کا ذکر:۔ قرآن مجید میں سورج اور چاند کے بارے میں کئی آیات موجود ہیں جو ان کے مخصوص وظائف اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں کی وضاحت کرتی ہیں۔ "اور سورج اپنے مقررہ راستے پر چلتا رہتا ہے، یہ اس زبردست قدرت والے، علم والے کا ٹھہرایا ہوا حساب ہے۔ اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ وہ پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک اپنے اپنے دائرہ میں تیرتا ہے۔" سورۃ یٰسین (36:38-40)

سورہ الرحمٰن میں ذکر ہے: "سورج اور چاند ایک حساب کے مطابق ہیں۔" اس آیت میں سورج اور چاند کے مقررہ مداروں اور ان کے وظائف کا ذکر ہے، جو اللہ کی قدرت اور حکمت کی نشانی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "اور اللہ نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا، اور ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر ہیں۔" سورۃ النحل (16:12)

سورۃ البقرہ (2:164) میں اللہ تعالیٰ ' کا ارشاد ہے: "بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، رات اور دن کے باری باری آنے میں اور ان جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کے لیے سمندر میں چلتے ہیں اور اس پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے نازل فرمایا ہے، پھر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔"

سورۃ الزمر (39:5) میں اللہ تعالیٰ ' نے فرمایا: "اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے، اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے۔ ہر ایک ایک مقررہ مدت تک چلتا ہے۔ سنو! وہی غالب بخشنے والا ہے۔"

اسلام اور قرآن کے نظریہ کے مطابق نظام شمسی اور کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ ' ' کی عظمت اور قدرت کی نشانی ہے۔ سورج، چاند، ستارے، اور دیگر اجرام فلکی اللہ کے حکم کے تابع ہیں اور انسانوں کے لیے اللہ کی تخلیق کی عظمت کو سمجھنے اور اس کی ہی عبادت کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

مشق اور سوالات:

(۱) درج ذیل الفاظ کے معانی یاد کریں:

نظام شمسی: سورج و چاند کے گرد کے ستاروں اور سیاروں کی دنیا اور اس کا اپنے اپنے مدار پر گھومنے کا سسٹم

مسخر: قابو میں کرنا،

مامور: متعین کر دینا

تاحد نگاہ: جہاں تک آنکھیں دیکھ سکتی ہوں

خیرہ کرنا: انتہائی حیرت اور تعجب میں ڈال دینا

کشش ثقل: مقناطیسی طاقت جو اپنے سے ہلکی چیزوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے

کمیت: مقدار اور وزن

قُطر: کل گولائی کی چوڑائی، علم ہندسہ میں گول دائرہ کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک مرکز سے گذر کر جانے والی لکیر کو کہتے ہیں۔

(۲) درج ذیل سوالوں کے جواب دیں:

۱۔ نظام شمسی سے آپ کیا مطلب سمجھتے ہیں؟

۲۔ نظام شمسی میں کل کتنے ستارے و سیارے ہیں؟ ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کریں۔

۳۔ سورج چاند سے کتنا بڑا ہے؟

۴۔ یہ کائنات اور نظام شمسی کس بات کی نشانیاں ہیں؟

۵۔ سورج اور چاند دونوں اپنے مدار پر گردش کرتے رہتے ہیں، اس کی کوئی دلیل قرآن کریم کی آیت سے دیجیے۔

مشقی عمل:۔ ایک چارٹ پیپر لیں اور اس میں نظام شمسی کی تصویر بنائیں اور اسے اپنے کلاس روم میں آویزاں کریں۔

گروپ ورک:۔ اس مضمون کو غور سے پڑھیے اور اس میں مذکور اللہ کی قدرت کو قلم بند کیجئے، اور گروپ کی شکل میں آپس میں بحث ومباحثہ اور غور وفکر کر کے اللہ کی قدرت کے مزید دس مظاہر کا بھی ذکر کیجیے۔

پروجیکٹ ورک:۔ نظام شمسی کی تصویر چارٹ پیپر پر بنائیں اور تصویر پر نشانات لگا کر نیچے ان ستاروں اور سیاروں کے نام درج کریں۔

ہوم ورک: سورج اور دیگر ستاروں سے انسانوں کو کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں لکھیں۔

....

سبق نمبر ۸

مقامی مرکز صحت اور اس کی اہمیت

شہریوں کے بنیادی حقوق میں سے ایک بنیادی حق یہ بھی ہے کہ حکومت اُن کی صحت کا خاطر خواہ انتظام کرے۔ ان کے علاج معالجہ کی سہولیات شہروں اور قصبوں سے لے کر گاؤں تک بھی فراہم کرے اور ہر وارڈ میں کم از کم ایک مرکز صحت قائم کرے۔ جہاں ضروری اور بنیادی سہولیات مفت میں فراہم کی جائیں۔ یہ بات باعث مسرت ہے کہ حکومت نیپال اس جانب متوجہ ہے اور پورے ملک میں اس نے مقامی مراکز صحت کا جال بچھا رکھا ہے۔ جہاں ایسے افراد ہمیشہ متعین ہوتے ہیں جو آنے والوں کے علاج معالجہ کا کام انجام دے سکیں نیز انہیں بنیادی رہنمائی کر سکیں۔

جب لوگ صحت مند ہوں گے تبھی وہ ملک کی بہتری کے لیے کچھ کام کر سکیں گے۔ ایک صحت مند آدمی کام اور استفادہ کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے۔ صحت مند آدمی اپنے گھر کے افراد کی دیکھ بھال، ان کی کفالت اور ان کی بہترین رہنمائی کر سکتا ہے۔ اسی طرح سے ایک صحت مند آدمی گاؤں، گھر، خاندان اور سماجی و ملی کاموں میں اپنی خدمات انجام دے سکتا ہے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ ہر شہری کے لیے بنیادی صحت کو یقینی بنائے۔ جب افراد صحت مند ہوں گے تو پورا ملک بھی صحت مند ہوگا اور ملک کی ترقی ہمیشہ ہوتی رہے گی۔

مراکز صحت میں جو عمومی بیماریاں ہوتی ہیں، ان کا علاج اور بنیادی چیک اپ کی سہولیات لازمی ہیں۔ نیز ایسے باصلاحیت ڈاکٹروں اور نرسوں کی ٹیم ہونی چاہیے جو مریضوں کو آتے ہی ان کو فوری راحت فراہم کر سکیں اور ان کو صحیح ڈھنگ سے مشورے دے سکیں۔ مقامی مرکز صحت میں خاص طور سے زچہ بچہ اور زچگی کا معقول اور مناسب انتظام لازمی ہے۔ اسی طرح سے ایکسیڈنٹ، روڈ حادثات اور اچانک درپیش ہونے والی بیماریوں کی ابتدائی علاج مقامی مرکز سے صحت میں ضروری ہے۔ مقامی مرکز صحت میں ایمبولینس کی سہولت، مختلف موسمی امراض کے بارے میں پیشگی آگاہی مہم، موتیابند آپریشن کیمپ اور دوسرے عمومی پروگرام بھی ہونے چاہیے۔ ہمارے بعض مقامی مراکز صحت اس میں بہت دل چسپی لیتے ہیں۔

اسی طرح سے وہ شہری جو بہت ہی غریب اور مستحق ہیں ایسے لوگوں کے لیے یا تو مفت علاج یا بہت ہی رعایتی علاج کی سہولت ہر مقامی مرکز سے صحت میں ہونی چاہیے۔

وہ ممالک جو مقامی مراکز صحت کی دیکھ بھال اچھے سے کرتے ہیں اور وہاں بنیادی سہولیات فراہم کرتے ہیں، اچھے ڈاکٹرز رکھتے ہیں، وہ ہمیشہ ترقی کے منازل طے کرتے ہیں اور وہاں صحت کے ساتھ دیگر میدانوں میں بھی شہری ترقی کرتے ہیں۔اس لیے کہ جب آدمی صحت مند ہوتا ہے تو پھر وہ تعلیم بھی حاصل کرتا ہے اور ملک کے لیے ہر اعتبار سے مفید ہوتا ہے۔

نیپال میں مقامی صحت کے مراکز بہت اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ عوام کو صحت کی بنیادی سہولتیں فراہم کرنے میں مددگار ہیں۔ نیپال کا صحت کا نظام مرکزی حکومت اور مقامی حکومتوں کے مشترکہ تعاون سے چلتا ہے۔ مقامی مراکز صحت کے ذریعہ عوام کو صحت کی خدمات، خصوصاً دیہی علاقوں میں، فراہم کی جاتی ہیں جہاں طبّی سہولتوں کی کمی ہوتی ہے۔

مقامی مراکز صحت کی اہمیت:

1. **عوامی صحت کی خدمات** : مقامی سطح پر صحت کے مراکز عوام کو صحت کی بنیادی خدمات فراہم کرتے ہیں، جیسے کہ سوئی لگوانا، ویکسی نیشن، ماں اور بچے کی صحت کی دیکھ بھال، بیماریوں کی تشخیص اور علاج۔ یہ خدمات بنیادی طور پر دیہاتوں اور چھوٹے شہروں میں فراہم کی جاتی ہیں جہاں بڑے اسپتال یا طبّی سہولتیں کم ہوتی ہیں۔
2. **دور دراز علاقوں تک رسائی** : نیپال میں پہاڑی اور دور دراز علاقے زیادہ ہیں، جہاں پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ مقامی حکومت کے صحت کے مراکز ان علاقوں میں صحت کی سہولت فراہم کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ ان مراکز کے ذریعہ دیہاتی عوام کو علاج اور مشورہ ملتا ہے۔
3. **پیدائش، ویکسینیشن اور ایمرجنسی خدمات** : مقامی سطح پر صحت کے مراکز میں بچے کی پیدائش، ویکسینیشن، اور ایمرجنسی کی سہولیات اور خدمات فراہم کی جاتی ہیں۔ یہ مراکز خاص طور پر ماں اور بچے کی صحت کے حوالے سے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔زچہ اور بچہ کے حق میں یہ مراکز بڑی نعمت ثابت ہوتے ہیں۔
4. **صحت کی آگاہی** : مقامی صحت کے مراکز میں صحت کے متعلق آگاہی بڑھانے کے لئے ورکشاپس اور پروگرامز منعقد کئے جاتے ہیں۔ ان پروگرامز کے ذریعہ عوام کو صحت کے مسائل اور احتیاطی تدابیر کے بارے میں بتایا جاتا ہے، جیسے کہ صفائی ستھرائی، متوازن غذا اور ورزش کے فوائد۔

نیپال میں مقامی حکومت کے صحت کے مراکز کو کچھ چیلنجز کا سامنا بھی ہے۔ عوام کو اور بالخصوص حکومت کو چاہیے کہ اس جانب توجہ دے۔

1. **وسائل کی کمی** : اکثر مقامی حکومت کے صحت کے مراکز میں ضروری وسائل اور بنیادی سہولتوں کی کمی ہوتی ہے۔ مخصوص امراض کے ماہر ڈاکٹروں اور نرسوں کی کمی بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔

2. **مالی وسائل کی کمی** :نیپال کی مقامی حکومتیں اکثر صحت کے شعبے کے لئے مناسب مالی وسائل مہیا نہیں کر پاتیں، جس کی وجہ سے صحت کے مراکز کا معیار متاثر ہوتا ہے۔ صفائی ستھرائی اور مریض کی مناسب دیکھ بھال بھی اہم مسئلہ ہے۔

3. **جغرافیائی مشکلات** :نیپال کے پہاڑی علاقے اور دور دراز کے مقامات تک رسائی مشکل ہونے کی وجہ سے صحت کی سہولتوں تک پہنچنے میں مسائل پیش آتے ہیں۔

مقامی مراکز صحت کا مستقبل: اگرچہ نیپال میں مقامی حکومت کے صحت کے مراکز کو متعدد مسائل کا سامنا ہے، لیکن حکومت اور مختلف غیر سرکاری تنظیمیں (NGOs) اس شعبے کی بہتری کے لئے اقدامات کر رہی ہیں۔ صحت کے مراکز میں جدید آلات، عملے کی تربیت، اور مالی وسائل کی فراہمی کے ذریعہ ان کی کارکردگی میں بہتری لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

نیپال میں صحت کی سہولتوں کی بہتری کا مقصد عوام کو بہتر صحت کی خدمات فراہم کرنا ہے تاکہ لوگ بیماریوں سے بچ سکیں اور صحت مند زندگی گزار سکیں۔ مقامی حکومت کے صحت کے مراکز اس سفر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور ان کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے مزید اقدامات کی ضرورت ہے۔

اس مضمون میں مقامی حکومت کے صحت کے مراکز کی اہمیت، چیلنجز اور ان کے مستقبل پر روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ طلبہ وطالبات کو نیپال میں صحت کے نظام کی اہمیت اور ترقی کا احساس ہوسکے۔

سوال نمبر ا:۔ مقامی مراکز صحت کو نیپالی اور انگلش میں کس نام سے جانا جاتا ہے؟

سوال نمبر ۲:۔ مرکز صحت میں کیا کیا سہولیات لازمی ہیں؟

سوال نمبر ۳:۔ صحت کے سلسلہ میں شہریوں کے حقوق کیا ہیں؟

سوال نمبر ۴:۔ مرکز صحت کی اہمیت پر کم از کم چار نکات پر مشتمل جواب لکھیے۔

مشق (ا) کل اپنے مقامی مرکز صحت جائیں اور اس کی صحیح معلومات اور تعارف پر ایک مضمون لکھیے۔

مشق (۲) پانچ پانچ طلبہ وطالبات کا گروپ بنائیں اور ایک مثالی مرکز صحت کا خاکہ اور اس کی سہولیات پر نوٹ بنائیں۔

مشق (۳) آپ کے گاؤں پالیکا یا نگر پالیکا میں کل کتنے مراکز صحت ہیں اور کہاں کہاں؟ ایک چارٹ پیپر تیار کریں اور پرنسپل آفس میں آویزاں کریں۔

....

سبق نمبر ۹

مرزا غالب اردو کے عظیم شاعر

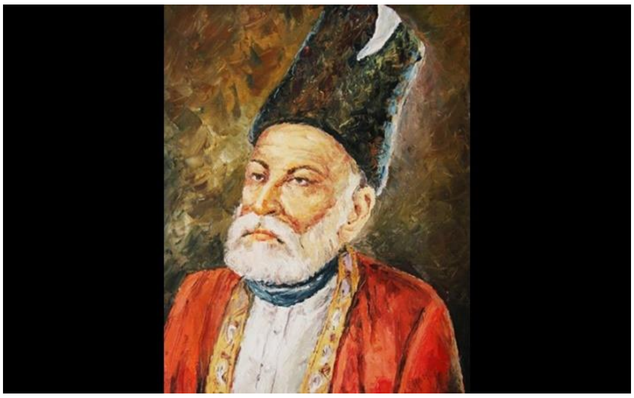

مرزا اسد اللہ خان غالب (1797-1869) اردو اور فارسی کے عظیم شاعر تھے، جنہوں نے اردو شاعری کو نیا رنگ اور گہرائی عطا کی۔ غالب کی شخصیت اور ان کی شاعری دونوں میں ایک خاص دلکشی ہے، جو انہیں دیگر شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔ ان کا تعلق مغلیہ سلطنت کے زوال کے دور سے تھا، جو ہندوستان کی تاریخ کے پیچیدہ اور ہنگامہ خیز ادوار میں سے ایک ہے۔

زندگی کا تعارف

مرزا غالب 27 دسمبر 1797 کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام اسد اللہ بیگ تھا اور غالب ان کا تخلص تھا۔ مرزا اسداللہ خاں دسمبر 27، کو آگرہ میں مرزا عبداللہ بیگ خاں کے ہاں پیدا ہوئے۔ 1802 میں ء مرزا اسداللہ خاں غالب کے والدِ محترم مرزا عبداللہ بیگ خاں راج گڑھ کی جنگ میں گولی لگنے سے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ 1810ء ،اگست 9 کو نواب احمد بخش خاں کے چھوٹے بھائی الٰہی بخش خاں معروف کی 11 سالہ صاحبزادی امراؤ بیگم سے مرزا اسداللہ خاں غالب کی شادی ہوئی. جب غالب کی عمر صرف 13 سال تھی۔ 1813ء میں مرزا اسداللہ خاں غالب آگرہ سے دہلی منتقل ہوگئے۔

1869ء ،فروری 15 کا دن ، اُس کے بعد انہیں پھر ہوش نصیب نہ ہوا- آخرکار مرزا اسداللہ خاں غالب زندگی کی بازی دہلی میں ہار گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ 1869ء ،مارچ 6 ،اُردوئے معلّٰی (رقعات) شائع ہوئی۔ سات بچے بچیوں کی ولادت ہوئی لیکن کوئی بھی 15 ماہ سے زیادہ عمر نہ پا سکا

1870ء ،فروری 4 غموں اور سر پر چڑھے قرضوں سے نڈھال ، غالب کی پہلی برسی کی تیاریوں میں مصروف ،ان کی بیگم بھی اللہ کو پیاری ہوگیئں ،انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بچپن میں والدین کے انتقال کے بعد ان کی پرورش چچا نے کی۔ غالب نے کم عمری میں ہی شاعری شروع کی اور فارسی زبان میں مہارت حاصل کی۔ وہ شادی کے بعد دہلی منتقل ہوگئے، جہاں ان کی شاعری اور نثر کو بھرپور پذیرائی ملی۔ غالب کا دور سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کا دور تھا، جس میں مغلیہ سلطنت زوال پذیر تھی اور انگریزوں کا اثر بڑھ رہا تھا۔

شاعری کا انداز اور موضوعات

غالب کی شاعری میں فلسفہ، عشق، انسانی جذبات، اور زندگی کے گہرے مشاہدات کا اظہار ملتا ہے۔ ان کے اشعار میں داخلیت اور کائنات کی وسعتوں کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ غالب کی شاعری کے اہم موضوعات یہ ہیں:

- **عشق اور محبت :** غالب کے اشعار میں عشق کا ذکر منفرد اور فلسفیانہ انداز میں ملتا ہے۔ ان کا عشق محض ظاہری محبت نہیں بلکہ ایک روحانی تجربہ ہے جس کا انہوں نے جا بجا اظہار کیا ہے۔ **زندگی کی حقیقت :** غالب کی شاعری میں زندگی کی پیچیدگیوں اور انسانی دکھوں کی گہری عکاسی ملتی ہے۔
- **خدا سے مکالمہ :** غالب کے اشعار میں خدا سے سوالات اور مکالمے کی جھلک نمایاں ہے، جو ان کے گہرے فکری رجحان کو ظاہر کرتی ہے۔
- **تصوف اور فلسفہ :** ان کی شاعری میں صوفیانہ خیالات اور فلسفیانہ تفکر شامل ہے، جو قاری کو گہرے غور و فکر پر مجبور کرتا ہے۔

ایک غزل ملاحظہ کریں جس سے غالب کی شاعری کی سادگی اور وسعت معنوی کا عکاس ہے۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی	میرے درد کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کمان کا تیر	دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
بات پر واں زبان کٹتی ہے	وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ	کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
نہ سنو گر برا کہے کوئی	نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی	بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند	کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے	اب کسے رہنما کرے کوئی
جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ	کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

خطوط نگاری

مرزا غالب کی نثر بھی اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی ان کی شاعری۔ ان کے خطوط کو اردو ادب میں نیا انداز کہا جاتا ہے۔ ان خطوط میں غالب کی شخصیت، ان کا مزاح، اور ان کے زمانے کے حالات کی جھلک ملتی ہے۔ غالب نے خطوط کو رسمی زبان سے نکال کر روزمرہ کی زبان میں ڈھالا، جس نے اردو نثر کو نیا رنگ دیا، یہ نیا رنگ فصاحت و بلاغت سے پر، دل کش روانی اور زبان کی لطافت کے ساتھ ہی بے پناہ آہنگ و رنگ و نکھار کا مرصع ہے۔ یہ اردو زبان

غالب کا کلام

مرزا غالب کا دیوان، **"دیوانِ غالب"**، اردو شاعری کا ایک شاہکار ہے۔ اس میں غالب کی غزلیں، ان کے خیالات، اور جذبات کا عکاس ہیں۔ فارسی میں بھی غالب نے وسیع کام کیا، جسے اردو کے ساتھ ساتھ فارسی ادب میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

دورِ زوال اور آخری ایام

غالب نے اپنی زندگی کے آخری ایام دہلی میں گزارے، جو 1857 کی جنگ آزادی کے بعد اجڑ چکی تھی۔ ان کی زندگی مشکلات اور معاشی پریشانیوں سے بھرپور تھی، لیکن وہ ان حالات میں بھی اپنے تخلیقی کام میں مصروف رہے۔ غالب کا انتقال 15 فروری 1869 کو دہلی میں ہوا۔

مرزا غالب اردو ادب کے ایک ایسے درخشاں ستارے کے مانند ہیں، جنہوں نے اپنی شاعری اور نثر سے اردو زبان کو ایک نیا مقام عطا کیا۔ ان کا کلام آج بھی قارئین کے دلوں کو چھوتا ہے اور اردو شاعری میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ غالب کی شخصیت اور شاعری آنے والی کئی نسلوں کے لیے ایک مشعلِ راہ ہے۔

مشہور شعر:

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

غالبؔ کی اولین خصوصیت طرفگی، حسن ادا اور بیان کی جدت اسلوب ہے لیکن طرفگی سے اپنے خیالات، جذبات یا مواد کو وہی خوش نمائی اور طرح طرح کی موزوں صورت میں پیش کر سکتا ہے جو اپنے مواد کی ماہیت سے تمام تر آگاہی اور واقفیت رکھتا ہو۔ غالبؔ اپنے دل و دماغ کو یوں تسکین دیتے ہیں کہ غالب کی شاعری میں غالبؔ کے مزاج اور ان کے عقائد فکری کو بھی بہت دخل ہے۔ طبیعتاً وہ آزاد مشرب مزاج پسند، ہر حال میں خوش رہنے والے منش تھے، لیکن نگاہ صوفیوں کی رکھتے تھے۔ باوجود اس کے کہ زمانے نے جتنی چاہئے ان کی قدر نہ کی اور جس کا انہیں افسوس بھی تھا پھر بھی ان کے صوفیانہ اور فلسفیانہ طریق تفکر نے انہیں ہر قسم کے تردد سے بچالیا اور اسی لیے اس شب و روز کے تماشے کو محض بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں: بازیچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے ہوتا ہے شب و روز یہ تماشا میرے آگے

دین و دنیا، جنت و دوزخ، دیر و حرم سب کو وہ واماندگیٔ شوق کی پناہیں سمجھتے ہیں۔ جذبات اور احساسات کے ساتھ ایسے فلسفیانہ بے ہمہ و باہمہ تعلقات رکھنے کے باعث ہی غالبؔ اپنی شدت احساس پر قابو پاسکے اور اسی واسطے اپنے فن میں کامیاب ہوسکے اور میرؔ کی یک رنگی کے مقابلے میں گلہائے رنگ کھلاسکے۔ "لوح سے قلم تک سو صفحے ہیں لیکن کیا ہے جو یہاں حاضر نہیں، کون سا نغمہ ہے جو اس زندگی کے تاروں میں بیدار یا خوابیدہ موجود نہیں۔" لیکن غالبؔ کو اپنا فن پختہ کرنے اور اپنی راہ نکالنے میں کئی تجربات کرنے پڑے۔ اول اول تو بیدلؔ کا رنگ اختیار کیا لیکن اس میں انہیں کیامیابی نہ ہوئی مجبوراً انہیں اپنے جوش تخیل کو دیگر متاخرین شعرائے اردو اور فارسی کے ڈھنگ پر لانا پڑا۔ صائبؔ کی تمثیل نگاری ان کے مذاق کے مطابق نہ ٹھہری میرؔ کی سادگی انہیں راس نہ آئی، آخر کار عرفیؔ و نظیری کا ڈھنگ انہیں پسند آیا۔ اسی لیے متوازن انداز میں ان کا اپنا رنگ نکھر سکا اور اب خیال و تخیل میں آتے ہوئے مضامین کو مناسب اور ہم آہنگ نشست میں غالب نے ایک ماہر فن کار کی طرح دل کش اور مترنم انداز میں پیش کرنا شروع کردیا۔ عاشقانہ مضامین کے اظہار میں بھی غالبؔ نے اپنا راستہ نیا نکالا، شدت احساس نے ان کے تخیل کی باریک تر مضامین کی طرف رہ نمائی کی گہرے واردات قلبیہ کا یہ پر لطف

نفسیاتی تجزیہ اردو شاعری میں اس وقت تک سوائے مومنؔ کے کس نے نہیں برتا تھا۔اس لیے لطیف احساسات رکھنے والے دل اور دماغوں کو اس میں ایک لذت نظر آئی۔

ولیؔ، میرؔ و سوداؔ سے لے کر اب تک دل کی وارداتیں سیدھی سادی طرح سے بیان ہوتی تھیں۔ غالبؔ نے متاخرین شعرائے فارسی کی رہ نمائی میں اس پر لطف طریقے سے کام لے کر اس باریک بینی سے برتا کہ لذت کام و دہن کے نازتر پہلو نکل آئے۔ غرض کہ ایسا بلند فکر گیرائی و گہرائی رکھنے والا وسیع مشرب، جامع اور بلیغ رومانی شاعر ہندوستان کی شاید ہی کسی زبان کو نصیب ہوا ہو موضوع اور مطالب کے لحاظ سے الفاظ کا انتخاب (مثلاً جوش کے موقع پر فارسی کا استعمال اور درد و غم کے موقع پر میرؔ کی سی سادگی کا) بندش اور طرز ادا کا لحاظ رکھنا غالبؔ کا اپنا ایسا فن ہے جس پر وہ جتنا ناز کریں کم ہے۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے　　　کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

مشقیں:۔

۱۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب کی مختصر سوانح حیات لکھیں

۲۔ مرزا غالب کے چند اشعار لکھیں اور ان کا مفہوم اپنی زبان میں قلم بند کریں۔

۳۔ مرزا غالب کہاں مدفون ہیں؟ ان کی چند کتابوں کے نام لکھیں۔

۴۔ مرزا غالب کی شاعری کے بنیادی موضوعات کیا کیا ہیں لکھیں۔

مشق نمبر ۲:۔ اس مضمون سے دس ایسے الفاظ منتخب کریں جن کے معانی آپ کو نہیں معلوم اور استاد کی مدد سے ان کے معانی لکھیں۔

مشق نمبر ۳:۔ درج ذیل اشعار کا مطلب بیان کریں:

ابن مریم ہوا کرے کوئی　　　میرے درد کی دوا کرے کوئی

شرع و آئین پر مدار سہی　　　ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی　　　بخش دو گر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند　　　کس کی حاجت روا کرے کوئی

مشق نمبر ۴:۔ اپنی کوشش سے کم از کم ۵ اشعار لکھیں۔

سبق نمبر ۱۰

بچوں کے حقوق

دین اسلام میں میں حقوق کی پاس داری، امن وامان اور عدل وانصاف پایا جاتا ہے۔ اس میں تمام جنس اور عمر کے لوگوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ مثلاً مردوں کے حقوق، خواتین کے حقوق، بچوں کے حقوق، جسمانی ساخت کے لحاظ سے کمزور یا معذوروں کے حقوق وغیرہ۔ آئندہ سطور میں بچوں کے اہم اور بنیادی حقوق کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

۱۔ نیک بیوی کا انتخاب:۔ بچہ کا پہلا حق یہ ہے کہ اس لیے نیک اور دیندار ماں کا انتخاب کیا جائے۔ تعلق زن وشو حلال طریقہ سے اپنایا گیا ہو۔ وہ حلال نطفہ سے ہو، یعنی اس کا نسب متعین ہو، اس کے باپ کا پتہ ہو، معاشرتی شناخت حاصل ہو، معاشرہ میں مقام حاصل کرنے کے لیے خاندان ملے، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں نکاح کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اولاد کی نیکی اور بھلائی کے لیے دعا کرنا:۔ اولاد یا بچوں کے حقوق میں سے پہلا حق یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ ' ' سے نیک اولاد کی دعائیں کرے۔ اللہ تعالیٰ ' ' نے قرآن کریم میں اس عمل کو مؤمنین کی صفت قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا .(قرآن:74:25)۔ مسلمان یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں نیک جوڑے اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔

اولاد بالخصوص نیک اولاد بہت بڑی نعمت ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ جب انہیں اولاد کی نعمت سے نوازا جائے تو اس کی نیکی کی دعائیں اللہ سے کرتے رہیں، چناں چہ سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ یستجاب لھن لا شک فیھن دعوة المظلوم، و دعوة المسافر، ودعوة الوالد لولدہ (ابن ماجہ)۔ تین دعائیں ایسی ہیں جن کی قبولیت میں کوئی شک نہیں: مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔

۳۔ بچہ کی پرورش رزق حلال سے کی جائے:۔ بچہ کا تیسرا حق ہے رزق حلال یعنی والدین اسے حلال رزق فراہم کریں، یعنی حلال غذا کی فراہمی والدین حلال غذائیں استعمال کریں تاکہ جو حمل ٹھہرے وہ بھی رزق حلال کا نتیجہ ہو، حرام ذریعہ سے حاصل کیا گیا نہ ہو، مثلاً رشوت، چوری، ڈاکہ، غصب کے ذریعہ حاصل کیا ہوا مال بھی اولاد پر اثر انداز ہوتا ہے، ایسے مال سے پرورش پانے والا جسم دنیاوی و اخروی اعتبار سے سعادت و خیر کا ذریعہ نہیں بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے آپ ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے، جس شخص کی حرام لقمہ سے پرورش ہوتی ہے اس کی چالیس دن تک دعاء قبول نہیں ہوتی۔

۴۔ بچہ کی زندگی کی حفاظت کی جائے:۔ زندگی اللہ دیتا ہے اسی کو واپس لینے کا حق ہے یہی وجہ ہے قتل کو بدترین جرم قرار دیا گیا ہے خواہ اپنی اولاد کا ہو۔ قرآن میں ہے: "آپ کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ' ' کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو، اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو، ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ، خواہ وہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ، اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ ' ' نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو۔ ہاں مگر حق کے ساتھ، اسی کا تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔((قرآن، 151:6)

اللہ تعالیٰ نے "سورہ الاسراء" میں اس مضمون کو اس طرح سے بیان فرمایا ہے کہ "مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو مار نہ ڈالو! انہیں اور تمہیں ہم ہی روزی دیتے ہیں، یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔((قرآن، 31:17)

زندگی کا تحفظ، بیماری سے بچانا بھی ہے، اگر بچہ بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کرانا، وبائی امراض سے حفاظت کرنا، موروثی بیماریوں سے بچانے کی پیش بندی کرنا، خطرناک مقامات، جہاں جان ضائع ہونے کا خدشہ ہو اس سے محفوظ رکھنے کے اقدامات کرنا وغیرہ۔

۵۔ بچہ کا اچھا نام رکھا جائے:۔ بچہ کی پیدائش کے بعد پہلا حق یہ ہے کہ اس کا اچھا نام رکھا جائے۔ نام بچہ کو شناخت فراہم کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ ناموں کے شخصیت پر اثرات ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے، جو ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے گا، اور اس کا نام رکھا جائے گا، اور اس کے سر کے بال اتارے

جائیں گے۔یعنی ساتویں دن اس کا نام رکھنا چاہئے۔(ابن ماجۃ ونسائی)۔ نبی کریم ﷺ نے ناموں کے بارے میں بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ تمہارے ناموں میں سے اللہ کو سب سے زیادہ محبوب نام:عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔(مسلم 5587)۔اسی طرح ہر وہ نام جو بامعنی و خوب صورت ہو اور مشرکانہ مفاہیم سے منزہ ہو رکھا جانا چاہئے،اس لیے کہ بچوں پر ناموں کا اثر پڑتا ہے۔

۵۔بچوں کے درمیان عدل و مساوات قائم کرنا اور ان سے محبت کرنا: اولاد میں عدل و مساوات کے متعلق امام بخاری و مسلم نے سیدنا نعمان بن بشیرؓ کی حدیث ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: میں نے اپنے اس لڑکے کو اپنا ایک غلام ہدیہ کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اسی طرح اپنے ہر لڑکے کو ہدیہ کیا ہے؟ عرض کیا: نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو پھر اس سے بھی واپس لے لو۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے ایسا سلوک اپنے تمام لڑکوں کے ساتھ کیا ہے؟ عرض کیا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:''اللہ سے ڈرو، اور اپنے بچوں میں عدل و مساوات کا معاملہ کرو۔''

حضرت اسامہؓ ابھی بچے ہی تھے کہ ایک دفعہ گھر میں داخل ہونے کے لیے دروازے کی چوکھٹ کو پھلانگتے ہوئے گر پڑے۔ ان کے ماتھے سے خون بہنے لگا۔ آپ ﷺ نے اُٹھ کر ان کا خون صاف کیا اور زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے ان کا زخم ٹھیک ہو گیا۔ حضرت اسامہؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ مجھے پکڑتے اور اپنی دائیں ران پر بٹھاتے اور اپنے نواسے حسن کو پکڑتے اور انہیں اپنی بائیں ران پر بٹھاتے، پھر ہم دونوں کو ملا کر دعا کرتے:"الٰہی میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں، تو بھی ان پر رحم فرما۔"

۷۔بچہ کی عزت و آبرو کا تحفظ کرنا: ہر بچے کو ظلم، تشدد، اور استحصال سے بچانے کا حق ہے۔اسی طرح اس کی عزت و آبرو بھی، عزت و آبرو کے تحفظ کا مطلب ہے بچہ کی تذلیل نہ کی جائے، اسے باعزت نام و القاب سے پکارا جائے، حقارت کا رویہ نہ اپنایا جائے، غلط کاموں پر اس کی سرزنش ضرور کی جائے، لیکن اصلاح کی نیت سے، عزت و آبرو کے تحفظ کا مطلب یہ بھی ہے کہ انہیں بری صحبت سے بچایا جائے تا کہ وہ اخلاقی و جنسی برائیوں سے محفوظ رہیں۔

۸۔بچہ کے ساتھ شفقت سے پیش آنا:۔ یعنی بچوں سے محبت اور شفقت ان کا حق ہے، سیدنا عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ (اَلبانی، 103)۔ جس کسی کی بھی تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو اسے جنت ملے گی۔ نبی کریم ﷺ نے شفقت کے حوالے سے ایک اچھے معاشرہ کے قیام کے لیے روشن ہدایت فرمائی۔

سنن ترمذی میں ہے: جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا، اور ہمارے بڑوں کی توقیر نہیں کرتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(الترمذی،1322:4)۔ اور آپ ﷺ کا فرمانِ ہے: جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔(بخاری، 5997)۔

ایک دفعہ آپ ﷺ اپنے چھوٹے نواسے حضرت حسینؓ کو پیار سے چوم رہے تھے کہ پاس بیٹھے ہوئے ایک دیہاتی نے حیران ہو کر کہا: "آپ ﷺ بچوں کو پیار سے بوسہ دیتے ہیں؟ ہم تو ایسا ہرگز نہیں کرتے" اس کی بات سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تیرے دل سے اللہ تعالیٰ ' ' نے رحم نکال دیا ہے تو اس میں میرا کیا اختیار ہے"۔ ایک دفعہ ایک بچے کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: "بچے تو اللہ کے باغ کے پھول ہیں"۔

۹۔بچہ کو اچھی تعلیم دلوانا: ارشاد نبوی ﷺ ہے:، علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔(ابن ماجۃ) والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو نیکی کی تعلیم دیں اور برائی سے بچنے کی تلقین کریں۔ حصول علم ہر بچہ پر لازمی قرار دیا گیا ہے، علم کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک علم الفرائض ہے، یعنی بچہ کو قرآن کریم کی تعلیم دی جائے، فرائض کی تعلیم دی جائے مثلاً نماز، روزہ وغیرہ تاکہ شریعت کے مطابق وہ زندگی گزار سکے اور دوسرے عصری علوم ہیں، یعنی ایسے علوم جو زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہیں، انہیں حاصل کرنے کے اسباب و مواقع فراہم کیے جائیں، یعنی ایسا علم و ہنر جو حلال ہو اور ذریعہ معاش بن سکے، اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

۱۰۔بچہ کی عمدہ تربیت کرنا: تربیت وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے جس میں ذہنی و فکری تربیت، جسمانی تربیت اور اخلاقی تربیت شامل ہیں، بچہ کی جتنی اچھی تربیت ہو گی وہ معاشرہ میں اتنا ہی بہتر رول ادا کر سکے گا۔ آپ ﷺ سیدنا خدیجہؓ کے مشورے اور رضامندی سے اپنے چچازاد بھائی حضرت علیؓ کو جن کی عمر چار پانچ سال تھی، اپنے گھر لے آئے، جہاں ان کی بہترین انداز میں پرورش ہونے لگی۔ اس گھر میں علیؓ بہت خوش تھے۔ یہاں ان کی خوراک، پوشاک اور تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام تھا، انہیں محبت اور پیار سے بلایا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ چھوٹی سی عمر میں بھی بہت عمدہ عادات کے مالک تھے۔ وہ نہایت فرماں بردار، خوش اخلاق اور ہنس مکھ تھے، اس لیے گھر والے ان کی پیاری عادتوں اور بھولی اداؤں کو پسند کرتے تھے۔ گھر کا ہر فرد انہیں عزت اور محبت سے نوازتا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کو انسؓ سے بہت محبت تھی اور پیار سے بیٹا یا پیارے انس کہہ کر

بلاتے تھے۔ اکثر پیار و محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے انسؓ سے فرمایا: "اے میرے چھوٹے بچے جہاں تک ہو سکے دن رات اس طرح گزارو کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف کوئی میل نہ ہو"۔ کبھی کبھی انسؓ سے مذاق بھی کر لیتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: "اے دو کانوں والے"

اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا ابراہیمؑ کی دعا نقل فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ وہ انہیں اور ان کی اولاد کو نماز کا پابند بنا دے، اور ان کی تمام دعاؤں کو بالعموم اور اس دعاء کو بالخصوص قبول فرمالے۔ "اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ، اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔" (قرآن، 40:14)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو، اور اگر دس سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کے لیے مارو، اور انہیں الگ الگ سلاؤ۔" (مسند احمد)

۱۱۔ بچہ شادی کے قابل ہو جائے تو ان کا نکاح کرانا: والدین کی ذمہ داری ہے جب اولاد بالغ ہو جائے تو ان کا نکاح کرا دیں تاکہ بچے غلط راستوں سے محفوظ رہیں، غلط جوڑے کے انتخاب سے محفوظ رہیں۔ جائیداد کی تقسیم کے خوف سے یا کسی اور غیر شرعی سبب سے تاخیر کی صورت میں اگر اولاد گناہ کی مرتکب ہو تو والدین بھی گناہ گار ہوں گے۔

۱۲۔ بچہ اور بچی دونوں کو وراثت میں حصہ دینا: اللہ تعالیٰ ' ' نے تمام ورثاء کے حقوق متعین فرما دیئے ہیں، لہٰذا وراثت سے کسی کو محروم کرنے کا حق نہیں ہے، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی محروم کرنا کبھی عاق کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی قرآن کریم کے حکم کی صریحا خلاف ورزی کی شکل میں، بعض افراد اپنی زندگی میں یہ عمل کرتے ہیں کہ ایک بچہ کو مال و جائیداد دیا، دوسرے کو محروم کر دیا یا ایک کو زیادہ دیا دوسرے کو کم دیا، شرعاً یہ بھی ظلم ہے، اس کی بھی اجازت نہیں، آپ ﷺ نے ایسی تقسیم پر گواہ بننے سے انکار کر دیا تھا۔

۱۳۔ بچوں کے لیے جائداد چھوڑنی چاہیے: حضرت سیدنا سعد بن اَبی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میں مکہ میں بیمار تھا، اور رسول اللہ ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے، میں نے عرض کیا: حضور ﷺ میرے پاس مال ہے، کیا میں اپنا سارا مال خیرات کرنے کی وصیت کر سکتا ہوں؟ فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: اچھا تو نصف مال؟ فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: اچھا تو ایک تہائی سہی، فرمایا:۔ خیر! مگر تہائی بھی بہت ہے، اگر تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر مرو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج چھوڑ کر مرو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں، اور تم جو کچھ مال خرچ کرو گے وہ تمہارے واسطے صدقہ (ثواب) ہے، حتیٰ کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو، اور امید تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ' 'تم کو زندہ رکھے گا اور تمہارے ذریعہ سے کسی کو نفع اور کسی کو ضرر پہنچے گا۔ (بخاری)

۱۴۔ معذور بچوں کی معاونت و کفالت ان کا حق ہے: معذور بچے ہوں یا بڑے ان کے ساتھ طعن و تشنیع کے جملوں کا استعمال یا ترس کھانے کا رواج ہے، جس سے معذور فرد میں خود اعتمادی کے بجائے بے چارگی کا رویہ پروان چڑھتا ہے۔ ایسے افراد کے ساتھ ثانوی سلوک کی ممانعت کی گئی ہے۔ ان سے مساویانہ سلوک اور رعایت کا حکم دیا گیا ہے اور ترغیب دی گئی ہے کہ ایسے افراد کے ساتھ ہمدردی کے ساتھ تعاون و کفالت کا رویہ اختیار کیا جائے تا کہ وہ معاشرہ میں اپنا کردار ادا کر سکیں، یہ ان کا حق ہے اور ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔

۱۵۔ بچوں سے ملازمت اور پر مشقت کام نہ کروایا جائے: اسلام کی عمومی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے بچہ سے مشقت والے کام نہ کروائے جائیں، بالخصوص مزدوری و ملازمت اس لیے کہ یہ عمر کھیلنے اور تعلیم حاصل کرنے کی ہے۔ بچہ فل ٹائم یا پارٹ ٹائم کمانے لگتا ہے، تو اس کی توجہ فوائد پر مرتکز ہو جاتی ہے، اس کا دل و دماغ تعلیم میں لگتا ہے نہ دیگر امور میں جب کہ بچہ کو پہلے مرحلہ میں اپنی صلاحیتیں علوم و فنون کے حصول پر صرف کرنی چاہیے۔

یاد رکھیں بچے ہمارا مستقبل ہیں، ہمیں پورے خلوص کے ساتھ ان کی بہتری کے لیے سوچنا چاہئے، ہماری سوچ وحی الٰہی اور اُسوہ حسنہ ﷺ کے ماتحت ہو گی تو یقیناً نتائج اچھے ہوں گے۔ اسلام جامع مذہب ہے اور اس کی تعلیمات افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ جو حقوق اسلام نے عطا کیے ہیں، وہ متوازن و مفید ہیں۔ ہمارے معاشرے اور ملک میں ان اصول پر سختی سے عمل ہونا چاہئے تا کہ بچوں کے حقوق محفوظ ہوں اور ملک و ملت کا مستقبل روشن ہو۔

مشقی سوالات:۔

سوال نمبر ا:۔ بچے کیا ہیں اور ان کی اہم ضروریات کیا ہو سکتی ہیں؟

سوال نمبر ۲:۔ بچوں کے ساتھ نرمی اور محبت کیوں ضروری ہے؟

سوال نمبر ۳:۔ بچوں کے حقوق کی وضاحت کریں:

عملی سرگرمی:۔

ا۔ طلبہ اپنے خیالات کا اظہار کریں کہ وہ اپنے ارد گرد بچوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔

۲۔ بچے گروپ میں تقسیم ہو کر بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے منصوبہ بندی کریں۔

۳۔ استاد طلبہ کو نصیحت کریں کہ وہ اپنے گھر اور معاشرے میں بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک کو فروغ دیں۔

۴۔ طلبہ سے کہیں کہ وہ بچوں کے حقوق کے بارے میں ایک مضمون لکھیں۔ مضمون کا موضوع: "بچوں کے حقوق کی حفاظت ہمارا فرض ہے"۔

سبق نمبر ۱۱

لمبینی گارڈن کا سفر

آج پرنسپل صاحب نے آخری گھنٹی میں بچوں کو جمع کیا اور اعلان کیا کہ کل آپ تمام کو پکنک میں جانا ہے اور ان شاء اللہ کل پکنک کے لیے ہم لوگ لمبینی گارڈن کا سفر کریں گے۔ پہلے سے آپ حضرات کو جو ہدایات دی گئی ہیں، اسی لحاظ سے تیار ہو کر کل صبح سات بجے اسکول پہنچ جائیں۔ ارادہ ہے کہ صبح ٹھیک سات بجے ہی پکنک کے لیے طلبہ وطالبات نکل جائیں۔

آج گھر پہنچے تو پہنچتے ہی امی سے بتایا کہ کل ہم لوگوں کا پکنک پروگرام ہے۔ اس لیے کل ناشتہ اور تیاری وقت پر ہونی چاہیے۔ ہم چھ بجے ہی گھر سے نکل جائیں گے اور سات بجے اسکول سے ہمیں پکنک کے لیے نکلنا ہے۔ الحمد للہ اگلی صبح وقت پر اسکول پہنچے۔ آج بچے بہت خوش اور ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ سب کے چہرے بشرے سے خوشی نمایاں تھی۔ پرنسپل صاحب کی نگرانی میں سات بجے اسکول سے ہم لوگ نکلے۔ درجہ اٹھ، درجہ نو اور درجہ دس کے بچوں پر مشتمل پکنک کا یہ پروگرام تھا۔ ہمارے اسکول سے کل 90 بچے تھے۔ آج اسکول بیگ کا بوجھ نہیں تھا، سب مسرور تھے، بعض طلبہ بیڈ منٹن اور بعض طلبہ نے کرکٹ بال بھی لائے تھے۔ دو بسوں سے ہم لوگ روانہ ہوئے۔ محمد ساجد نے سفر پر نکلنے اور سواری پر سوار ہونے کی دعا پڑھی اور سب نے ساتھ میں باآواز بلند ساتھ دیا۔ پانچ کلومیٹر کے بعد ایک دوسرے مدرسہ کے بچے بھی ہمارے ساتھ ہوگئے۔ بیساکھ کا پہلا ہفتہ تھا اس لیے ہم لوگ ہلکے کپڑوں میں تھے۔

صبح ساڑھے آٹھ بجے ہی ہم لوگ لمبینی گارڈن میں پہنچ گئے تھے۔ بس پارک اور انٹر نیشنل کانفرنس ہال کے جوار میں بنے خوب صورت پارک میں ہم نے اجتماعی ناشتہ کیا۔ پھر دیر تک خوب گھوم گھام کر پورے گارڈن کی زیارت کی گئی۔ پہلے اتر جانب ورڈ پیس پیگوڑا گئے جو بالکل سفید بلڈنگ ہے۔ یہاں بچوں نے شوقیہ تصاویر لیں اور خوب خوش ہوگئے۔ بعض بچے گول سیڑھیوں سے ہوئے ہوئے بالکل اوپر تک چڑھ گئے۔ پھر سری لنکا ہوٹل کا معاینہ کیا۔ واپس بس پارک پر آئے اور وہاں سے کشتی کی مدد سے سیدھے مایا دیوی مندر گئے۔ کروز بوٹ پر سوار ہوئے۔ سب بچے بلند آواز میں شور مچانے لگے۔ پل کے نیچے سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ بندر بالکل ہم بچوں کی طرح پل پر چڑھتے ہیں اور پانی میں بار بار چھلانگ لگاتے ہیں۔ بوٹ سے اترے اور سیدھے پیدل مایا دیوی مندر گئے۔ پوکھری اور اشوک استمبھ دیکھا۔ پرنسپل صاحب نے اعلان کیا کہ اب ایک گھنٹہ آپ لوگ خود ہی ادھر ادھر گھوم لیں اور جن کو کچھ کھیلنا کودنا ہے وہ بھی کرلیں۔ ٹھیک ایک گھنٹہ بعد بوٹ پر

دوبارہ سوار ہونے کے لیے پہنچیں۔ ہم نے وہاں قریب میں موجود دو تین مندروں کی زیارت کی۔ مختلف ممالک کے طرز تعمیر کا مشاہدہ کیا۔ البتہ ہمارے بعض ساتھی وہیں میدان پا کر کھیل میں مصروف ہو گئے۔

لمبینی گارڈن کی زیارت مکمل کرتے ہی ہم لوگ پرڑیا چوراہے سے مشرقی جانب مسجد دارالسلام گئے اور وہاں ہم نے ظہر کی نماز ادا کی۔ مسجد ماشاء اللہ بہت بڑی اور بہت خوب صورت تھی۔ وضو خانہ اور طہارت خانہ کا معقول انتظام تھا۔ نماز کے بعد پرنسپل صاحب کے حکم پر سوشل سائنس پڑھانے والے ہمارے ماسٹر صاحب نے ایک تقریر کی:

پیارے بچو! لمبینی گارڈن جسے ابھی آپ نے دیکھا یہ ایک تاریخی اور روحانی مقام ہے، جو دنیا بھر میں بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ یہ جگہ گوتم بدھ کی جائے پیدائش کے طور پر مشہور ہے اور نہ صرف مذہبی بلکہ ثقافتی، تاریخی اور سیاحتی لحاظ سے بھی منفرد ہے۔ لمبینی گارڈن یونیسکو کے عالمی ثقافتی ورثے کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے اور ہر سال ہزاروں زائرین یہاں آتے ہیں تاکہ روحانی سکون اور تاریخ کی جھلک حاصل کر سکیں۔

لمبینی کا ذکر قدیم بدھ مت کی کتابوں اور کتبوں میں موجود ہے۔ 563 قبل مسیح میں، شہزادہ سدھارتھ، جنہیں بعد میں گوتم بدھ کے نام سے جانا گیا، لمبینی کے اسی پرسکون باغ میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ باغ اس وقت ان کے باپ راجہ شدھودھن کی ریاست کا حصہ تھا۔ گوتم بدھ کی تعلیمات نے دنیا کو امن، ہمدردی اور عدم تشدد کا پیغام دیا۔

لمبینی کے تاریخی مقامات میں اشوک کا ستون سب سے زیادہ مشہور ہے، جو راجہ اشوک نے تیسری صدی قبل مسیح میں بدھ مت کے فروغ کے لیے بطور یادگار نصب کیا تھا۔ ستون پر کندہ تحریریں اس جگہ کی تاریخی اہمیت کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ ظاہر کرتی ہیں کہ بادشاہ اشوک نے خود یہاں کا دورہ کیا تھا۔

مایادیوی مندر: لمبینی گارڈن کا مرکز مایا دیوی مندر ہے، جو گوتم بدھ کی والدہ مایا دیوی سے منسوب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شہزادہ سدھارتھ کی پیدائش اسی باغ کے ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی۔ بطور علامت مندر کے اندر وہ پتھر محفوظ ہے جو گوتم بدھ کی پیدائش کے مقام کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ مقام بودھسٹ زائرین کے لیے خاص روحانی اہمیت رکھتا ہے اور یہاں ہر وقت عبادت گزاروں کی موجودگی رہتی ہے۔

بین الاقوامی خانقاہیں: یہاں مختلف ممالک کی طرف سے تعمیر کی گئی خانقاہیں اور مندریں موجود ہیں۔ ان خانقاہوں میں مختلف طرز تعمیر کی جھلک ملتی ہے، جو ہر ملک کی بدھ مت سے وابستہ روایت اور ثقافت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ جاپانی، تھائی، سری لنکن، چینی اور دیگر طرز تعمیر کے مندر یہاں موجود ہیں، جو اس مقام کو عالمی بدھ مت کا مرکز بناتے ہیں۔

قدرتی خوب صورتی اور ماحول: یہ گارڈن اپنی قدرتی خوب صورتی کے لیے بھی مشہور ہے۔ یہاں کے پر سکون ماحول میں زائرین مراقبہ کرتے ہیں اور بدھ مت کی تعلیمات کو گہرائی سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باغ کے ارد گرد موجود جھیلیں، خوب صورت پارک اور روڈ، بس پارک سے مندر تک نہر اور نہر کے دونوں جانب کشادہ فٹ پاتھ، محراب نما قدیم طرز کی جا بجا عمارتیں، درخت اور سبزہ اس کی خوب صورتی کو مزید نکھارتے ہیں۔ زائرین کے لیے کروز بوٹ یعنی چھوٹے اسٹیمر کی سہولت بھی موجود ہے، جو اس مقام کا ایک منفرد تجربہ فراہم کرتی ہے۔ بس پارک سے مایادیوی مندر تک زائرین بالعموم اسی کشتی کے سہارے سفر کرتے ہیں۔

لمبینی کی عالمی اہمیت لمبینی گارڈن نہ صرف بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے بلکہ تاریخ، ثقافت اور امن میں دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لیے بھی ایک اہم مقام ہے۔ اس مقام پر ہر سال امن کانفرنسز اور عالمی ثقافتی تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے، جو دنیا بھر سے مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے لوگوں کو ایک ساتھ لانے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

لمبینی گارڈن ایک ایسا مقام ہے جو تاریخ، روحانیت، اور قدرتی خوبصورتی کو یکجا کرتا ہے۔ یہ دنیا بھر کے لوگوں کو امن، ہم آہنگی، اور بھائی چارے کا پیغام دیتا ہے۔ یہاں کا سفر نہ صرف دل کو سکون بخشتا ہے بلکہ بدھ مت کی عظیم تعلیمات کو سمجھنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔

سائٹ پیلس کا تعارف: سائٹ پیلس ایک جدید طرز کا وہ مقام ہے جہاں سے زائرین گارڈن کے مختلف مقامات کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ جو باغ کی خوبصورتی اور اس کے تاریخی ورثے کو ایک نظر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ڈیزائن میں روایتی نیپالی فن تعمیر اور جدید سہولتوں کا امتزاج موجود ہے۔ خوب صورت ستون، کھلی گیلریاں، اور نظارے کے لیے مخصوص بالکونیاں بنائی گئی ہیں۔ سائٹ پیلس کے اندر ایک معلوماتی مرکز بھی موجود ہے جہاں لمبنی گارڈن کی تاریخ، گوتم بدھ کی زندگی، اور بدھ مت کی تعلیمات کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ ایک گیلری بھی موجود ہے جہاں قدیم دور کی تصویریں، اشوک کے ستون کی تفصیلات، اور دیگر اہم آثار قدیمہ کے بارے میں نمائش کی گئی ہے۔ یہاں زائرین کے لیے بیٹھنے کی جگہیں، ریفریشمنٹ کے اسٹالز، اور گائیڈز کی سہولت موجود ہے۔

ورلڈ پیس پیگوڈا: یہ خوب صورت سفید یادگار، جو شانتی اسٹوپا کے نام سے بھی جانی جاتی ہے، دنیا بھر میں جاپانی بدھسٹ تنظیم نپونزان میو ہو جی کی جانب سے تعمیر کردہ امن پیگوڈوں میں سے ایک ہے۔ یہ پیگوڈا بودھا کے جائے پیدائش کے قریب واقع ہونے کی وجہ سے روحانی اور ثقافتی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی تعمیر کا مقصد لوگوں کو ہم آہنگی کے ساتھ زندگی گزارنے کی ترغیب دینا اور عالمی اتحاد کو فروغ دینا تھا۔ نپونزان میو ہو جی نے اس منصوبے کی قیادت کی، جس کا مقصد عدم تشدد اور عالمی امن کی ترویج تھا۔

پاگوڈا سادگی اور خوب صورتی کا شاہکار ہے۔ سفید سنگ مرمر سے تعمیر کردہ یہ عمارت پاکیزگی اور سکون کی علامت مانی جاتی ہے۔ گنبد نما اسٹوپا کو سونے کے مجسموں سے سجایا گیا ہے جو بدھا کی زندگی کے مختلف مراحل کی عکاسی کرتے ہیں، جن میں ان کی پیدائش، روشن خیالی، پہلا وعظ، اور وفات شامل ہیں۔ یہ یادگار مجسمے جمالیاتی دل کشی میں اضافہ کرتے ہیں ۔زائرین یہاں مراقبہ کرنے اور روحانی سکون حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، جب کہ سیاح اس کی تعمیرات، خوب صورتی اور ارد گرد کے ثقافتی مقامات کی سیر کرتے ہیں۔

روحانی اہمیت سے ہٹ کر، ورلڈ پیس پاگوڈا بین الاقوامی تعاون کی علامت بھی ہے۔اس کی تعمیر میں دنیا بھر کے افراد اور تنظیموں نے تعاون کیا، جو امن کے لیے مشترکہ عزم کا مظہر ہے۔ یہ مقام مختلف تقاریب اور تقریبات کی میزبانی کرتا ہے جو مختلف ثقافتوں اور مذاہب کے درمیان باہمی رواداری اور اتحاد کو فروغ دینے کے لیے منعقد کی جاتی ہیں۔ یہاں آنے کا بہترین وقت اکتوبر سے مارچ تک کا ہے جب موسم خوشگوار ہوتا ہے۔

بین الاقوامی کانفرنس ہال:

بین الاقوامی کانفرنس ہال لمبنی میں واقع ایک شان دار تعمیر ہے، جو علمی مباحثوں، ثقافتی تقریبات، اور عالمی امن کے فروغ کے لیے وقف ہے۔ یہ کانفرنس ہال بدھ مت کے پیروکاروں اور دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔اس کی تعمیر کا مقصد دنیا بھر کے مختلف مذاہب، ثقافتوں، اور نظریات کے افراد کو ایک جگہ پر جمع کرنا ہے تاکہ عالمی ہم آہنگی اور بھائی چارے کو فروغ دیا جاسکے۔ یہ کانفرنس ہال جدید اور روایتی فن تعمیر کا حسین امتزاج ہے۔اس انداز میں ڈیزائن کیا گیا ہے کہ یہ لمبنی کی مذہبی فضا سے ہم آہنگ ہو۔اس کے کشادہ ہالز، جدید سہولیات، اور ماحولیاتی طور پر پائیدار تعمیر اسے ایک منفرد بناتے ہیں۔

بین الاقوامی کانفرنس ہال لمبنی کے سیاحتی مقامات میں ایک اہم اضافہ ہے۔ یہ ہال نہ صرف زائرین کو علمی اور ثقافتی سرگرمیوں میں مشغول کرتا ہے بلکہ مقامی معیشت کو بھی فروغ دیتا ہے۔اس کے ذریعہ نہ صرف روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں بلکہ مقامی کاروبار اور خدمات کے شعبے کو بھی ترقی ملتی ہے۔

آخر میں ماسٹر صاحب نے کہا کہ مختصراً یہ معلومات دی گئی ہیں۔ باقی الحمد للہ آپ لوگوں نے خود ہی مشاہدہ کرلیا ہے۔ دس کلومیٹر مربع میں یہ پھیلا ہوا ہے اور اس میں ابھی ابھی تعمیراتی کام چل ہی رہا ہے۔
اس کے بعد ہمارے لیے ظہرانے کا انتظام کیا گیا اور بغل کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر ہم تمام طلبہ اور طالبات نے ایک ساتھ دوپہر کا کھانا تناول فرمایا۔ آج ہماری پسند کے مطابق بریانی اور پیسٹری کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہم لوگ بہت محظوظ ہوئے۔ ہمارے بعض ساتھی اپنے گھروں سے ٹفن لے کر بھی آئے تھے۔ اسے بھی آج خوب مزہ لے کر بانٹ بانٹ کر کھایا گیا۔ ہمارے ٹیبل پر چھ لوگ تھے اور سب ایک ہی کلاس ساتھی تھے۔

اس طرح سے ہم لوگ اب وہاں سے لوٹے اور بھیرہوا اور نول پراسی بازار ہوتے ہوئے مغرب ایک گھنٹہ قبل اپنے اسکول پہنچے۔ بس سے اترے تو بچوں کو جمع کیا گیا اور مولانا صاحب نے کہا: بچو! اب آرام سے اپنے اپنے گھروں کو جائیں اور اپنے والدین کو پکنک کی پوری روداد سنائیں اور آخری بات بتانا نہ بھولیں: کہ گوتم بودھا ایک مشہور راجہ شدھودھن کا بیٹا تھا۔ اسے کافی غور و فکر کے بعد ایک اللہ کی معرفت مل گئی تھی۔ وہ توحید کا قائل تھا اور اس کی تعلیمات میں سب سے اہم اہنسا ہے یعنی کوئی کسی پر ظلم اور تشدد نہ کرے۔ لیکن لوگوں نے اس کی باتوں کو یکسر بھلا دیا۔ ایک اللہ کو بھول گئے اور خود بودھا کی بڑی بڑی مورتیاں بنا دی ہیں اور اسی کی پوجا شروع کر دی ہے۔ جب کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ نبی تھے اور ان کا نام قرآن میں ذوالکفل درج ہے۔

پھر وہاں سے اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوئے۔ الحمد للہ یہ پکنک ہمارے لیے بہت ہی مفید رہا۔ علم میں بھی اضافہ ہوا اور ہمیں کافی تفریح کا موقع ملا۔ آج دن بھر طلبہ وطالبات خوش گپیوں میں مصروف رہے۔ پکنک میں بہت ہی اہم بات یہ رہی کہ دو مدرسوں کے بچوں نے ایک ساتھ پکنک کیا۔ اس طرح سے ہمیں دیگر اساتذہ سے بھی اور دوسرے مدرسے کے بچوں سے بھی بات چیت کرنے ان کے ساتھ گھومنے اور کھیلنے کا موقع ملا جو بہت ہی مفید رہا۔

مشق اور سوالات:

(الف) درج ذیل سوالوں کا جواب دیجیے:

سوال نمبر ۱:۔ تعلیمی زندگی میں پکنک کیوں ضروری ہے؟ اس کے تین فوائد لکھیے:

سوال نمبر ۲:۔ لمبینی گارڈن میں کن سیاحتی مقامات کی زیارت آپ نے کی ہے؟

سوال نمبر ۳:۔ ورڈ پیس پیگوڑا کی تعمیر کس مقصد سے کی گئی ہے؟

سوال نمبر ۴:۔ ماسٹر صاحب نے انٹر نیشنل کانفرنس ہال کے بارے میں کیا بتایا؟

سوال نمبر ۵:۔ مایا دیوی مندر لمبینی میں کس جگہ واقع ہے؟

(ب) درج ذیل ہوم ورک تیار کریں:

۱۔ اپنے کلاس کے بچوں کو چار گروپ میں تقسیم کیجیے اور ہر گروپ کے بچے گوتم بودھا کی تعلیمات سے تین تین اہم باتوں کو ایک چارٹ پر پیش کریں۔

۲۔ کیا آپ نے بھی لمبینی کی زیارت کی ہے؟ تو اپنی آپ بیتی دو صفحات میں لکھیے:

۳۔ اگلے سال آپ لوگ پکنک میں کہاں جانا چاہتے ہیں اور کیوں؟ کم از کم پانچ دلائل اور فوائد لکھ کر اپنے پرنسپل صاحب کے پاس جمع کریں اور پکنک کا پروگرام کنفرم کروائیں۔

سبق نمبر ۱۲

قومی اخبارات کا تعارف

ملک کی ترقی اور خوش حالی میں میڈیا یعنی صحافت کا کلیدی رول ہوا کرتا ہے۔ خبروں کے ذریعہ دنیا کی ترقی اور سماجی تبدیلیوں کا پتہ لگتا ہے۔ ایجادات اور نئی تبدیلیوں سے باخبر ہوا جاتا ہے۔ دیس دنیا کی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ تعلیمی و سماجی ترقی کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کسی ملک کی ترقی میں میڈیا کا اہم کردار ہوتا ہے۔ صحافت کی دنیا میں اخبارات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ پوری دنیا میں قومی تہذیب و ثقافت کے فروغ، سماجی و معاشرتی تبدیلی، ملک کی پالیسی کے نفاذ اور سوچ و فکر میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں اخبارات نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ پوری دنیا میں اخبارات کا آغاز الکٹرانک میڈیا، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دیگر میڈیا سے پہلے ہوا۔

ہمارے ملک نیپال کے پرنٹ میڈیا یا اخبارات کی تاریخ انیسویں صدی کے اواخر میں شروع ہوئی، اور اس نے ملک کی سیاسی، سماجی، اور ثقافتی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج، نیپال میں پرنٹ میڈیا کا ایک مضبوط نیٹ ورک موجود ہے، جو مختلف زبانوں اور موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔

نیپال کے قومی اخبارات مختلف زبانوں اور علاقائی پس منظر کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ اخبارات عوام کو خبریں، تجزیے، اور معلومات فراہم کرنے کے ساتھ نیپال کے سماجی، سیاسی، اور اقتصادی حالات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ذیل میں نیپال کے چند اہم قومی اخبارات کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

نیپال کے پرنٹ میڈیا کی تاریخ اور موجودہ مشہور اخبارات کا تعارف:

آغاز:۔ نیپال کا پہلا اخبار "**گورکھا پتر**" تھا، جو 1901 میں شائع ہونا شروع ہوا۔ یہ اخبار نیپال کے شاہی خاندان کے زیر نگرانی شروع کیا گیا اور بنیادی طور پر حکومتی اعلانات اور سرکاری خبروں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ 1950 کی دہائی تک اخبارات پر سخت حکومتی کنٹرول تھا، اور آزادی اظہار پر پابندیاں عائد تھیں۔

جمہوری وجدید دور کا آغاز:۔ 1951 میں نیپال میں جمہوری تحریک کے بعد، میڈیا پر پابندیاں کم ہوئیں اور آزاد اخبارات کی اشاعت شروع ہوئی۔اس دور میں کئی نئے اخبارات اور رسائل شائع ہوئے، جن میں سیاسی اور سماجی موضوعات پر بحث کو فروغ ملا۔ تعلیمی ترقی اور ثقافتی و فنی معلومات فراہم کرنے کا رواج عام ہوا۔ 1990 میں نیپال میں جمہوری بحالی کے بعد پرنٹ میڈیا نے تیزی سے ترقی کی۔ کثیر الجماعتی نظام اور آزادی اظہار کے فروغ نے آزاد اور متنوع صحافت کو جنم دیا۔

موجودہ مشہور اخبارات:۔ نیپال میں آج کئی مشہور اخبارات شائع ہو رہے ہیں، جو نیپالی، انگریزی، اور دیگر زبانوں میں دستیاب ہیں۔ یہ اخبارات خبروں، تجزیوں، سائنسی و علمی معلومات، سیاسی اتھل پتھل اور تبدیلیاں، معاشی ترقی، عوام کے رجحانات، جدید دنیا کی سیاسی، سماجی و علمی ترقی و تبدیلی اور ملک کی قومی اور بین الاقوامی پالیسی پر مشتمل مفید معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ذیل میں چند اہم اخبارات کا تعارف کرایا جاتا ہے:

نیپالی زبان کے اخبارات:

1. **کانتی پور ڈیلی:** (Kantipur Daily)

یہ نیپال کا سب سے مشہور اور بڑے پیمانے پر شائع ہونے والا نیپالی زبان کا اخبار مانا جاتا ہے، اس کے پڑھنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔یہ اخبار سیاست، سماج اور معیشت پر مفصل رپورٹنگ کرتا ہے اور یہ کانتی پور میڈیا گروپ کے تحت شائع ہوتا ہے۔

2. **نیا پتریکا روزنامہ:** (Naya Patrika)

یہ جدید خبروں اور تجزیوں کے لیے مشہور ہے۔نوجوان قارئین میں بہت مقبول ہے۔یہ اخبار معاشرتی مسائل اور تفریحی مواد پر توجہ دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے نئی نسل میں اس کے پڑھنے کا عام رجحان پایا جاتا ہے۔

3. **گورکھا پتر روزنامہ:** (Gorkhapatra)

یہ نیپال کا قدیم ترین اخبار ہے، جو آج بھی حکومتی پالیسیوں اور سرکاری اعلانات کا اہم ذریعہ ہے۔حکومتی اعلانات، معلومات، حکومتی پالیسی، سیاسی خبریں اور دیگر اہم قومی معلومات اس اخبار کے ذریعہ فراہم کی جاتی ہیں۔

4. **نیپال سماچار پتر:** (Nepal Samacharpatra)

یہ علاقائی اور قومی خبروں کے لیے معروف ہے۔ یہ اخبار دیہی علاقوں کی خبروں پر خاص توجہ دیتا ہے۔

5. **راج دھانی ڈیلی** (Rajdhani Daily)

- یہ اخبار بھی نیپالی زبان کا معروف اخبار ہے۔ قومی خبروں کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی معاملات پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔
- مقامی مسائل اور عوامی فلاح و بہبود کے موضوعات پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

انگریزی زبان کے اخبارات:

1. **دی ہمالین ٹائمز:** (The Himalayan Times)

- نیپال کا سب سے مشہور انگریزی روزنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ اخبار بین الاقوامی خبروں، سیاسی تجزیوں، اور تجارتی رپورٹس کے لیے معروف ہے۔ سیاحت اور نیپال کے قدرتی وسائل پر خصوصی مضامین بھی شائع کرتا ہے۔ نیپال کا سب سے بڑا انگریزی روزنامہ، جو بین الاقوامی قارئین میں بھی مقبول ہے۔
- نیپال کے سیاسی حالات، بین الاقوامی خبریں، اور تجارتی موضوعات پر جامع مواد فراہم کرتا ہے۔ یہ سیاحت اور نیپال کے قدرتی وسائل پر خصوصی مضامین بھی شائع کرتا ہے۔

2. **ریپبلیکا:** (Republica)

  - نیپال کا ایک اور مشہور انگریزی اخبار ہے۔ یہ سیاست، کاروبار، اور معاشرتی مسائل پر تفصیلی مضامین شامل کرتا ہے۔

3. **دی رائزنگ نیپال:** (The Rising Nepal)

  - یہ سرکاری سطح پر شائع ہونے والا قدیم انگریزی اخبار ہے۔ یہ حکومتی نقطہ نظر اور سرکاری خبریں پیش کرتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی کئی مشہور اخبارات نیپالی اور انگریزی میں شائع ہوتے ہیں۔ ان میں ہمالیہ ٹائمز، انا پورنا پوسٹ، نیپال بھاسا پتریکا، جنک پور روزنامہ، مزدور اور راج دھانی روزنامہ وغیرہ معروف ہیں۔ علاقائی سطحوں پر بھی متعدد اخبارات، روزنامہ، ہفتہ وار اور ماہنامہ شائع ہوتے ہیں۔

آن لائن اور ڈیجیٹل میڈیا کا اضافہ :۔ نیپال میں ڈیجیٹل میڈیا تیزی سے مقبول ہو رہا ہے۔بڑے اخبارات کے ساتھ ساتھ کئی نیوز پورٹلز جیسے "آن لائن خبر" اور "سیتوپاٹی" بھی اہم ہیں۔ان کے ذریعہ قارئین فوری اور تازہ ترین خبریں حاصل کر سکتے ہیں۔یہ اخبارات نیپال کی کثیر الثقافتی اور لسانی تنوع کی نمائندگی کرتے ہیں اور ملک کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔

پرنٹ میڈیا کا سماجی کردار : نیپال کے پرنٹ میڈیا نے مختلف سماجی، سیاسی، اور اقتصادی مسائل کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ : (۱) جمہوری اقدار کو فروغ دیتا ہے۔(۲) عوامی آگاہی میں اضافہ کرتا ہے۔(۳) قومی اور بین الاقوامی خبروں کو عام قارئین تک پہنچاتا ہے۔

مجموعی طور پر نیپال کا پرنٹ میڈیا ایک متحرک اور متنوع شعبہ ہے، جو نہ صرف قومی رائے عامہ ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے بلکہ حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔ جدید دور میں ڈیجیٹل میڈیا کے اضافے کے باوجود، پرنٹ میڈیا اپنی اہمیت برقرار رکھے ہوئے ہے۔

مشقی سوالات :۔

درج ذیل سوالوں کے جوابات اور معلومات اپنی کاپی میں نوٹ کریں:

۱۔ نیپال میں سب سے پہلے اخبارات کا سلسلہ کب سے شروع ہوا؟

۲۔ نیپال کا سب سے پہلا اخبار کون سا مانا جاتا ہے؟

۳۔ نیپالی اور انگریزی کے چند اخبارات کے نام لکھیں۔

۴۔ اخبارات سماج میں کیا کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

۵۔ آپ اپنے استاد کی مدد سے اردو اور نیپالی کے ماہانہ میگزین کی معلومات حاصل کریں۔

۶۔ اخبارات پڑھنے کی عادت ڈالیں اور اہم معلومات کو اپنی ڈائری میں نوٹ کریں۔

عملی مشق (۱) پانچ طلبہ وطالبات کا ایک گروپ بنائیں اور گزشتہ ایک ماہ کی اہم خبروں کو ترتیب دے کر خصوصی وال میگزین نکالیں۔جس میں پالیکا کی خبریں زیادہ ہوں۔

عملی مشق (۲) آپ کے اسکول میں کون اخبار برابر آتا ہے گزشتہ دو ماہ کے اخبارات جمع کیجیے اور ان کا سرسری مطالعہ کرکے اس اخبار کا تعارف اور مشن بیان کیجیے اور بتایئے یہ اخبار کس قسم کی خبروں کو زیادہ جگہ دیتا ہے:

سبق نمبر ۱۳

ڈپٹی نذیر احمد

شمس العلماء خان بہادر حافظ ڈپٹی مولوی نذیر احمد ضلع بجنور کی تحصیل نگینہ کے ایک گاؤں ریہر میں پیدا ہوئے۔ ایک مشہور بزرگ شاہ عبد الغفور اعظم پوری کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن آپ کے والد مولوی سعادت علی غریب آدمی تھے اور یوپی کے ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ واضح رہے کہ ریاست حیدرآباد سے انھیں **غیور جنگ** کا خطاب دیا گیا تھا جسے انھوں نے قبول نہیں کیا تھا۔

اردو میں وہ شخصیت جسے پہلا ناول نگار ہونے کا شرف حاصل ہے، جس نے سب سے پہلے خواتین کے لیے ادب کی تشکیل کی، جس نے تانیثیت کا منشور مرتب کیا اور انڈین پینل کوڈ کا ترجمہ 'تعزیرات ہند' کے نام سے کیا جو سرکاری حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔ اس شخصیت کا نام ڈپٹی نذیر احمد ہے۔

نذیر احمد کی پیدائش 6 دسمبر 1836 کو ضلع بجنور میں ہوئی۔ ان کے والد مولوی سعادت علی معلم تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ دلی کے اورنگ آبادی مدرسے میں مولوی عبد الخالق سے درس لیا۔ دہلی کے زمانۂ طالب علمی میں پنجابی کٹرے کی مسجد میں رہتے تھے۔ اس زمانے میں دینی مدرسے کے زیادہ تر طالب علموں کو بستی کے گھروں سے روٹیاں لانی پڑتی تھی۔ نذیر احمد کو بھی اپنے کھانے کا انتظام اسی طرح کرنا پڑا۔ کہیں سے رات کی بچی ہوئی دال تو کہیں سے دو تین سوکھی روٹیاں مل جاتی تھیں۔ نذیر احمد مولوی عبد الخالق کے گھر سے بھی روٹیاں لاتے تھے۔ جہاں ایک لڑکی ان سے روٹی کے بدلے مصالحے پسواتی تھی۔ اور کبھی کبھی مصالحہ پیسنے میں سستی کی وجہ سے انگلی پر سل کا بٹہ بھی مار دیتی تھی۔ خود نذیر احمد نے لکھا ہے کہ؛ ''ادھر میں نے دروازے میں قدم رکھا، ادھر ان کی لڑکی نے ٹانگ لی۔ جب تک سیر دو سیر مصالحہ مجھ سے نہ پسوا لیتی نہ گھر سے نکلنے دیتی نہ روٹی کا ٹکڑا دیتی... خدا جانے کہاں سے محلّہ بھر کا مصالحہ اٹھا لاتی تھی۔ پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے جہاں میں نے ہاتھ روکا اور اس نے بٹہ انگلیوں پر مارا، بخدا جان سی نکل جاتی تھی۔'' یہی لڑکی بعد میں نذیر احمد کی شریک حیات بنی۔

مدرسہ کی تعلیم کے بعد نذیر احمد نے دلی کالج میں داخلہ لیا، یہاں انہیں وظیفہ بھی مل گیا۔ دلی میں 8 سال گزارنے کے بعد بسلسلہ ملازمت گجرات پہنچے۔ جہاں 80 روپئے ماہوار پر انہیں نوکری مل گئی۔ اس کے بعد ترقی کرتے

ہوئے وہ کانپور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے۔ 1857 کے انقلاب میں دلی واپس آئے۔ یہاں سے نظام دکن نے انہیں حیدر آباد بلا لیا۔ جہاں ان کی تنخواہ1240 روپئے مقرر ہوئی۔ انہیں دفاتر کا معائنہ اور کارکردگی کی مفصل روداد پیش کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ نذیر احمد نے بہت محنت اور لگن سے کام کیا اس لیے انہیں ترقی ملتی گئی۔ وہ صدر تعلقہ دار بن گئے۔ اس دوران انہوں نے نظام دکن کے بچوں کو پڑھانے کا بھی کام کیا۔

ڈپٹی نذیر احمد جب جالون میں تھے تو انہیں بچوں کے لیے کچھ کتابوں کی ضرورت محسوس ہوئی مگر وہ دستیاب نہ ہو سکیں تو انہوں نے خود بچوں کے لیے کتابیں لکھنے کا کام شروع کر دیا۔ 'مراۃالعروس' 'منتخب الحکایات' وغیرہ ان کی اپنے بچوں کے لیے لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد نے بہت سے ناول تحریر کیے جن کا مقصد اصلاحی تھا اور ان ناولوں میں زیادہ زور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور امور خانہ داری پر تھا۔ ان کے مشہور ناولوں میں 'مراۃ العروس' 'بنات النعش' 'توبۃ النصوح' 'فسانہ مبتلا' 'ابن الوقت' 'ایامی' اور 'رویائے صادقہ' ہیں۔ 'مراۃالعروس' ان کا سب سے مشہور ناول ہے۔ جس کے کردار اکبری اور اصغری آج بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں ۔ یہ ناول جب شائع ہوا تھا تو حکومت نے ایک ہزار روپے انعام سے نوازا تھا۔ 1869 میں شائع ہوئے والے اس ناول کو زیادہ تر لوگ اردو کا پہلا ناول مانتے ہیں۔ 'ابن الوقت' بھی نذیر احمد کا بہت مشہور ناول ہے ،جس میں مغربی تہذیب و تمدن کی نقالی پر طنز کیا گیا ہے۔ کچھ لوگوں کے خیال میں اس میں سر سید احمد خان کو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ مگر ڈپٹی نذیر احمد نے اس کی تردید کی ہے کیوں کہ وہ خود سر سید کی تحریک سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ سر سید کے مشن کی تبلیغ اور ترویج کے لیے ہمیشہ سر گرم رہتے تھے۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اہم قومی خدمات بھی انجام دی ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد نے ناولوں کے علاوہ جو اہم علمی کام کیے ہیں ان میں قرآن کا ترجمہ، قانون انکم ٹیکس، قانون شہادت بہت اہم ہیں ۔ڈپٹی نذیر احمد کی بیشتر کتابیں بہت مقبول ہوئیں اور ان کی کتابوں کا انگریزی کے علاوہ پنجابی، کشمیری، مراٹھی، گجراتی، بنگلہ وغیرہ میں ترجمے ہوئے۔ 'مراۃالعروس' کا ترجمہ انگریزی میں 1903 میں لندن سے شائع ہوا۔ 1884 میں 'توبۃالنصوح' کا ترجمہ سر ولیم میور کے دیباچہ کے ساتھ شائع ہوا۔ ڈپٹی نذیر احمد کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان کی ادبی خدمات کے صلے میں برطانوی حکومت نے شمس العلما کا خطاب دیا تھا۔ آخری عمر میں ڈپٹی نذیر احمد پر فالج کا حملہ ہوا اور 3 مئی 1912ء میں دلی میں وفات پاگئے۔

ڈپٹی نذیر احمد کا پہلا ناول "مراۃ العروس" (1868) ہے یہ دراصل انہوں نے اپنی بڑی لڑکی کی تعلیم و دینی تربیت کے لیے بطور نصاب کے مرتب کیا تھا اس کی ترتیب و شکل یوں تھی کہ دو چار صفحہ لکھ کر دے دیتے تھے اس کی تعلیم پوری ہو جاتی تو پھر اگلے دو چار صفحہ لکھتے اس ناول میں کردار کے طور پر اصغری و اکبری دو بہنیں ہیں اکبری ضدّی بے ادب، اور بے سلیقہ لڑکی ہے جب کہ اصغری ٹھیک اس کے برعکس ہے چونکہ بچیوں کی تعلیم و تربیت کی خاطر اس کے کردار و مضمون گڑھے گئے ہیں اس لیے یہ ایک اصلاحی ناول ہے۔

"بنات النعش" بھی ان کی ایک اہم تصنیف ہے اس کا موضوع بھی اخلاق و تعلیم ہے اس میں حسن آراء کا کردار بھی اکبری کی طرح خودسر و خود بیں بدزبان اور پھوہڑ لڑکی کا ہے مگر کچھ آگے چل کر اس میں تبدیلی آ جاتی ہے اس کا کایا پلٹ جاتا ہے اور وہ دوسروں کو تعلیم دینے لگتی ہے بچیوں کو جغرافیہ اور امور خانہ داری سکھاتی ہے۔ "توبۃ النصوح" ان کا تیسرا ناول ہے یہ ناول پلاٹ، کردار، مکالمہ اور زبان و بیان ہر لحاظ سے بہت ہی دلچسپ اور فنی مہارتوں کی تکمیل پر مبنی ہے اس کا موضوع بھی تربیتِ اولاد ہی ہے۔

فسانۂ عجائب ڈپٹی نذیر احمد کا چوتھا ناول ہے اس کا ایک کردار محصنات ہے اس ناول میں انہوں نے اپنا نقطہ نظر واضح طور پر بیان کیا ہے انہون نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ایک سے زائد شادیاں ہر لحاظ سے غلط ہے اس سے اولاد کی تربیت کرنے میں بھی دشواریاں ہوتی ہیں ہمیشہ ذہنی تناؤ اور جھگڑوں کی وجہ سے آدمی بدمزاج ہو جاتا ہے ان کی پانچویں ناول کے طور پر "ابن الوقت" کو جانا جاتا ہے ابن الوقت ڈپٹی نذیر احمد کی ناولوں میں سب سے مقبول ناول ہے اسے ایک معاشرتی ناول کے طور پر بھی جانا جاتا ہے جو لوگوں میں آداب معاشرت سکھاتی ہے اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جو لوگ اپنی تہذیب پر قناعت نہیں کرتے دوسروں کی پیروی کرتے ہیں وہ نہ ادھر کے ہوتے ہیں نہ ادھر کے ایک نہ ایک دن ان کو شرمندگی کا سامنا کرنا ہوتا ہے تو وہی ان کی ناول "ایامیٰ" بیواؤں کی حالت زار اور عورتوں کی نکاح ثانی پر زور دیتا ہے "رویائے صادقہ" مولوی نذیر احمد کا آخری ناول ہے جس میں صادقہ "مرکزی کردار ہے یہ بھی ایک اصلاحی ناول ہے۔

مجموعی طور پر ان کی تمام تر ناولوں کا پلاٹ خوب ہے مگر شروع دور کے ناولوں کا درجہ کم تر ہے چوں کہ ان کا موضوع اصلاح ہے اس لیے اس میں پلاٹ نگاری پر زیادہ توجہ نہی دی گئی ہے البتہ ان کا تیسرا ناول "توبہ النصوح" میں فنی گرفت صاف نظر آتی ہے "ابن الوقت" کا کردار زیادہ پیچیدہ اور پر اسرار ہے وہ اپنے مقصد کو کبھی بھی اپنے گرفت سے باہر نہیں ہونے دیتے وہ پلاٹ و کردار دونوں کو قابو میں رکھتے ہیں حسن ترتیب اور پلاٹ کا باریکی کے ساتھ استعمال ان کے ناولوں میں جان پیدا کرتا ہے نذیر احمد کے ناولوں کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے کرداروں کی تخلیق میں بڑی فنکاری کا مظاہرہ کیا ہے ان کے زیادہ تر کردار سادہ اور سپاٹ ہیں یا تو خوبیوں کا مجسمہ یا تو عیبوں کا پلندہ اسی طرح انہوں نے مکالمے کو بھی نہایت ہی خوش اسلوبی سے قاری کے سامنے رکھا ہے ماحول مزاج اور کردار کے عین موافق مکالمے ان کی ناولوں کو مثالی بناتے ہیں خاص طور سے نسوانی کردار کی کارکردگی اور مکالمے انوکھے اور بڑے باریکی سے گڑھے گئے ہیں سماج

و معاشرہ کی تصویر پیش کرنے والی یا گھریلو زندگی میں ایک عورت کے جذبات کی ترجمانی کرنے والی ان کی ناولوں کو دیکھتے ہوئے صاف طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ناولیں تانیثیت کا منشور اور معاشرتی اخلاق، کردار، رواداری اور مجموعی آداب کو تشکیل دینے والی ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد کا تعلق ریاست اترپردیش کے ضلع بجنور سے تھا_انہیں دہلی کالج میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا_ پھر انھوں نے تدریسی خدمت انجام دی _ جلد ہی ترقی کرکے ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے۔ بعد میں تحصیل دار، ڈپٹی کلکٹر اور ریاست حیدر آباد دکن میں افسر بندوبست کے مناصب پر فائز ہوئے _ حکومت نے انہیں 1897ء میں شمس العلماء کا خطاب دیا_انھوں نے علی گڑھ تحریک میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ کیا۔

ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد انھوں نے اپنی زندگی تصنیف و تالف میں گزاری۔ انڈین پینل کوڈ کا ترجمہ 'تعزیرات ہند' کے نام سے کیا، جو سرکاری حلقوں میں بہت مقبول ہوا اور آج تک مستعمل ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے قانونِ انکم ٹیکس اور قانونِ شہادت کا بھی ترجمہ کیا_ ادبی دنیا میں ان کو ناول نگار کی حیثیت سے شہرت ملی_ان کی کتابوں : مراۃالعروس ، بنات النعش ، توبۃالنصوح ، فسانۂ مبتلا ، ابن الوقت ، ایامی اور رویائے صادقہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی_ان کی کتاب الحقوق والفرائض 3 جلدوں پر مشتمل ہے_ جلد اول میں حقوق اللہ ، جلد دوم میں حقوق العباد اور جلد سوم میں آداب و اخلاقیات سے بحث کی گئی ہے _ انھوں نے ایک پادری کی کتاب 'امہات المؤمنین' کے جواب میں 'امہات الامۃ' لکھی ، لیکن اس میں بعض مقامات پر بے جا محاورات کے استعمال کی وجہ سے علماء نے اس پر سخت تنقیدیں کیں۔ انھوں نے قرآن مجید کا بامحاورہ اور سلیس زبان میں اردو ترجمہ کیا، جو بہت مقبول ہوا اور اس کے بہت سے اڈیشن شائع ہوئے _ ان کی ایک کتاب 'مطالب القرآن' کے نام سے ہے، جس میں اسلامی عقائد کی تشریح کی گئی ہے۔

غرض کہ ڈپٹی نذیر احمد کی خدمات ادبی اور دینی دونوں میدانوں میں ہیں ، لیکن انہیں جو شہرت ادبی میدان میں حاصل ہوئی وہ دینی اعتبار سے نہ حاصل ہو سکی۔

مشق اور سوالات :

سوال نمبر ا:۔ ڈپٹی نذیر احمد کس زمانہ کے ادیب ہیں؟ اور ان کو کس میدان میں شہرت ملی ؟

سوال نمبر ۲:۔ ڈپٹی نذیر احمد کی پہلی ناول کا نام کیا ہے؟ اور اس میں بنیادی پیغام کیا ہے؟

سوال نمبر ۳:۔ ڈپٹی نذیر احمد کی تصانیت کے نام لکھیں۔

سوال نمبر ۴:۔ ڈپٹی نذیر احمد نے کون سی سرکاری ملازمت کی ؟

مشق (ا) اپنی لائبریری کی مدد سے پانچ مشہور تاریخی ناول کے نام لکھیں۔

مشق (۲) اپنے استاد کی مدد سے پانچ مشہور ناول نگار کے نام لکھیں۔

سبق نمبر ۱۴

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

حفیظ جالندھریؒ

عمر بولے یہ قصہ ہی چکا دیتا ہوں میں جا کر
کہ دیتا ہوں تمھیں سرہادی اسلام کا لا کر

بدی کے غلغلے اس محفل حق پوش میں اٹھے
عمر نے کھینچ لی تلوار پورے جوش سے اٹھے

چلے اس زندگی بخش جہاں کے قتل کرنے کو
تمنائے مکان ولا مکاں کے قتل کرنے کو

نعیم اک مرد عاقل سے ہوئی مٹ بھیڑ رستے میں
وہ بولے آج کیا ہے تم نظر آتے ہو غصے میں

کہا میں قتل کرنے جا رہا ہوں اس پیمبر کو
کہ جس نے ڈال رکھا ہے مصیبت میں عرب بھر کو

وہ بولے تم کو گھر کا حال بھی معلوم ہے بھائی
کہ ہے اسلام کی حامی تمھاری اپنی ماں جائی

تمھارے گھر میں بستا ہے خدا کا نام مدت سے

کہ بہنوئی تمھارالا چکااسلام مدت سے

یہ سن کر اور بھی غیظ و غضب طوفان پر آئے
عمر تلوار کھینچے اپنے بہنوئی کے گھر آئے

غضب ٹوٹا عمر دہلیز پر جس وقت چڑھتے تھے
وہ دونوں حضرت خباب سے قرآن پڑھتے تھے

عمر داخل ہوئے جب گھر کے اندر سخت غصے میں
سنی آہٹ تو فوراََ چھپ گئے خباب پردے میں

کہا کیا پڑھ رہے تھے تم وہ بولے تم سے کیا مطلب !
کہا دونوں مسلماں ہو چکے ہو جانتا ہوں سب !

بہن بہنوئی کو آخر عمر نے اس قدر مارا
کہ زخموں سے نکل کر خون کی بہنے لگی دھارا

بہن بولی عمر ! ہم کو اگر تو مار بھی ڈالے
شکنجوں میں کسے یا بوٹیاں کتوں سے نچوالے

مگر ہم اپنے دینِ حق سے ہر گز پھر نہیں سکتے !
بلندی معرفت کی مل گئی ہے گِر نہیں سکتے !

دہن سے نامِ حق آنکھوں سے آنسو،منہ سے خوں جاری

عمر کے دل پر اس نقشے سے عبرت ہو گئی طاری

کہا اچھا دکھاؤ مجھ کو وہ آیاتِ قرآنی
سمجھ رکھا ہے جن کو تم نے ارشاداتِ ربانی

بھن بولی بغیرِ غسل اس کو چھو نہیں سکتے
یہ سن کر اور حیرت چھا گئی منہ رہ گئے تکتے

اُٹھے اور غسل کر کے لے لیا قرآن ہاتھوں میں
اسی کے ساتھ آئی دولتِ ایمان ہوتھوں میں

کلامِ پاک کو پڑھتے ہی آانسو ہو گئے جاری
خدائے واحد و قدّوس کی ہیبت ہوئی طاری

وہ دل سخت وہ سخت دل جو آہن و فولاد کا دل تھا
مُسلمانوں کے حق میں جو کسی جلّاد کا دل تھا

شعاعِ نور نے اس دل کو یکسر موم کر ڈالا
ہوئی تسکین بہ نکلا قدیمی کفر کا چھالا

اُڑی کافور کی صورت سیاہی رنگِ باطل کی
یکایک آج روشن ہو گئیں گہرائیاں دل کی

اسی عالم میں اُٹّھے جانبِ کوہِ صفا دوڑے
نکل کر نرغہ شیطاں سے جیسے پارسا دوڑے

رسول اللہ تھے اُس سم مقیمِ خانہ ارقم
حضوری میں جنابِ حمزہ و بوبکر تھے ہمدم

نحیف و ناتواں کُچھ اور اہل اللہ بیٹھے تھے
خدا پر تکیہ تھا سرکارِ عالی جاہ بیٹھے تھے

عمر آئے مسلّح، آ کے دروازے پہ دی دستک
اسی انداز میں تھے ہاتھ میں تلوار تھی اب تک

صحابہ نے جونہی سُوراخ میں سے جھانک کر دیکھا
چمک تلوار کی آئی نظر روئے عمر دیکھا

صحابہ کو ہُوئی تشویش ان کے رنگِ ظاہر سے
عمر کا دبدبہ کچھ کم نہ تھا اِک فوج قاہر سے

رسُول اللہ سے آ کر عرض کی اِک طرفہ ساماں ہے
عمر در پر کھڑے ہیں ہاتھ میں شمشیرِ برّاں ہے

کہا حمزہ نے جاؤ جس طرح آتا ہے آنے دو
اسے اندر بلاؤ جس طرح آتا ہے آنے دو

ادب ملحوظ رکھے گا تو خاطر سے بٹھائیں گے
نمونہ اس کو ہم خُلقِ محمّد دکھائیں گے

اگر نیت نہیں اچھی تو اس کو قتل کر دوں گا
اسی کی تیغ سے سر کاٹ کر چھاتی پر دھر دُوں گا

رسول اللہ سن کر مسکرائے اور فرمایا
بُلالو دیکھ لیں کس دُھن میں ہے ابنِ خطاب آیا

عمر داخل ہوئے گھر میں تو اُٹّھے حضرتِ والا
ہُوا ضَو ریز سرِّ شاخِ طُوبیٰ پر قدِ بالا

کہا چادر کا دامن کھینچ کر اے عُمر کیا ہے؟
چلا تھا آج کس نیت سے کس نیّت سے آیا ہے؟

عُمر کے جسم پر اِک کپکپی ہو گئی طاری
وہیں سر جُھک گیا آنکھوں سے آنسو ہو گئے جاری

ادب سے عرض کی حاضر ہوا ہوں سر جھکانے کو
خُدا پر اور رسولِ پاک پر ایمان لانے کو

یہ کہنا تھا کہ ہر جانب صدائے مرحبا گونجی
فضا میں نعرہ اللّٰہ اکبر کی صدا گونجی

سوال نمبر ۱:۔ اس سبق دس مشکل الفاظ اور ان کے معانی لکھیں:

سوال نمبر ۲:۔ درج ذیل کا استعمال اپنے الفاظ میں کریں:

کپکپی مسلح دھن شکنجوں کافور نحیف و ناتواں اہل اللہ

سوال نمبر ۳:۔ اس سبق سے تین بامحاوہ الفاظ تلاش کریں۔

عملی مشق:

(۱) حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ، اس عنوان پر ایک تقریر یاد کریں اور آئندہ ہفتہ واری انجمن میں سنائیں۔

(۲) اس نظم کو اچھی طرح یاد کر لیں اور اپنے والدین کو ضرور سنائیں۔

سبق نمبر ۱۵

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام ایک مشہور نبی گذرے ہیں۔آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔آپ کے والد محترم کا نام حضرت یعقوب علیہ السلام ہے ،آپ کے دادا کا نام حضرت اسحاق علیہ السلام ہے۔آپ کے پردادا کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام ہے اور یہ سب انبیائے کرام ہیں۔آپ انبیائے بنی اسرائیل میں ایک مشہور نبی گذرے ہیں۔آپ کی پیدائش ملک فلسطین کی مشہور جگہ وادی حبرون میں ۱۹۲۷ قبل مسیح ہوئی تھی۔آپ کی والدہ کا نام راحیل تھا۔آپ کل بارہ بھائی تھے۔بنیامین آپ کے حقیقی بھائی تھے۔

آپ بچپن سے بہت ہی شریف ، والدین کے فرمانبردار اور انتہائی ذہین تھے۔آپ بہت ہی حسین و جمیل بھی تھے اور صفائی ستھرائی اور پاکی وطہارت آپ کی عادت شریفہ تھی۔آپ ہمیشہ والد محترم کے ساتھ رہتے اور ان کا ہر حکم بجالاتے تھے اور روزانہ ان سے دین کی چھوٹی چھوٹی باتیں سیکھتے تھے۔آپ کے والد محترم بھی آپ کو بہت پیار کرتے تھے۔حضرت یوسف علیہ السلام جب کچھ بڑے ہوئے تو آپ کی شرافت ، حسن اور فرمانبرداری کو دیکھتے ہوئے والد محترم آپ کا زیادہ خیال رکھنے لگے۔نتیجہ میں بھائیوں کو آپ سے حسد ہو گئی اور وہ سب حضرت یوسف علیہ السلام کے دشمن ہو گئے۔

ایک دن اپنے والد کو دھوکہ دے کر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر جنگل چلے گئے اور آپ کو ایک گمنام کنوئیں میں پھینک دیا۔اتفاق سے ایک قافلہ آیا جو پانی کی تلاش میں کنوئیں تک پہنچا اور اندر سے آپ کو نکالا۔وہ قافلہ تجارت کی غرض سے مصر جارہا تھا۔اس بچے کو لے کر وہ مصر کی بازار پہنچے اور اچھی قیمت پا کر اسے فروخت کر دیا۔عزیز مصر نے آپ کو خرید لیا۔اس امید کے ساتھ کہ ایک ہونہار لڑکا ہے۔ضرور ہمارے کام آئے گا یا پھر اسے اپنا منہ بولا بیٹا ہی بنالیں گے۔اب آپ کی پرورش ایک شہزادہ کی طرح ہونے لگی۔عنفوان شباب کو پہنچے تو دربار میں آپ کے حسن وجمال اور ذہانت کے چرچے ہونے لگے۔یہاں تک کہ عزیز مصر کی بیوی ہی حضرت یوسفؑ پر فریفتہ ہو گئی۔حد تو یہ ہوا کہ ایک دن وہ بدکاری پر اتر آئی اور ساری تدبیریں کرنے لگی۔جب حضرت یوسفؑ کی جانب سے کوئی آمادگی نہ دیکھی گئی تو اس نے آپ کو بدنام کرنے کے لیے شور کر دیا اور آپ کا کرتا بھی پھاڑ ڈالا۔بالآخر دربار کے ایک بزرگ حکیم ودانا نے فیصلہ دیا کہ اگر حضرت یوسفؑ کا دامن آگے سے پھٹا ہے تو یوسفؑ مجرم ہیں اور اگر دامن پیچھے جانب سے پھٹا ہے تو عزیز مصر کی بیوی زلیخا ہی مجرمہ ہے۔اس طرح آپ کی پاک دامنی کا سرکاری اعلان واقرار ہو گیا اور وہ بدکاری کے الزام سے بری ہو گئے۔اب شہر میں عورتوں نے رانی کی برائی شروع کر دی کہ وہ کیسی ہے ؟ اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی۔جب رانی کی بڑی جگ ہنسائی ہونے لگی تو اس نے ایک دن شہر کی

عورتوں کو بلایا اور شاہی دربار میں ان کی ایک مجلس سجائی، ان کے سامنے دستر خوان سجایا گیا اور اسی اثناء میں ان ہی خواتین کے درمیان سے حضرت یوسف علیہ السلام کو گزارا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصر کی عورتیں مبہوت ہو گئیں اور خود اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔اب رانی نے ان کو خوب ملامت کی اور کہا تم لوگ بلاوجہ مجھے ملامت کر رہی تھیں۔ میں نے ہی یوسفؑ کو رجھانے کی کوشش کی تھی۔اگر اب بھی وہ میری نہیں مانے گا تو اب اسے جیل ہی جانا ہوگا۔ادھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ اے اللہ ! اس چال سے مجھے محفوظ فرما اور اس برائی کے مقابلہ میں مجھے اپنی عصمت و عفت عزیز ہے چاہے مجھے جیل ہی جانا پڑے۔ ملک کی رانی زلیخا کو مزید بدنامی سے بچانے کے لیے حکمراں طبقہ نے آپ کو فوری طور پر جیل بھیج دیا۔

جیل روانگی

حضرت یوسفؑ کی عفّت و پاک دامنی ثابت ہونے کے باوجود عزیزِ مصر نے اُنہیں حوالۂ زنداں کر دیا۔ یوں اللہ تعالیٰ ' ' نے جیل جانے کی دُعا قبول فرما کر ایک طرف تو اُنھیں عورتوں کی چال بازیوں سے بچالیا، تو دوسری طرف شاہِ مِصر کے تقُرب اور حکومت میں شامل ہونے کے مواقع فراہم کر دیے۔ جیل میں آپؑ قیدیوں کی خبر گیری کرتے اور اُن سے پیار و محبّت سے پیش آتے۔ چناں چہ بہت جلد قیدیوں میں مقبول ہوگئے۔

قیدیوں کے خواب کی تعبیر

محل کے دو خاص آدمی بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں گرفتار کرکے قید خانے لائے گئے۔ اُن میں سے ایک شاہی ساقی یعنی بادشاہ کو مشروبات پلانے والا اور دوسرا، باورچی تھا۔ ایک رات اُن دونوں نے عجیب و غریب خواب دیکھا۔ جس کی تعبیر کے لیے حضرت یوسفؑ سے رجوع کیا۔ ایک نے خواب میں خود کو شراب نچوڑتے دیکھا اور دوسرے نے دیکھا کہ وہ اپنے سَر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہے جسے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔آپؑ نے فرمایا: ”اے میرے قید خانے کے رفیقو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرّر ہو جائے گا، لیکن دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔“ آپؑ نے دونوں اشخاص میں سے جس کی نسبت خیال کیا کہ وہ رہائی پا جائے گا، اُس سے کہا: ” رہائی ہو جائے تو اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا“ لیکن شیطان نے اُنہیں بھلا دیا اور آپؑ کئی برس جیل خانے ہی میں رہے۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر

آپؑ سات سال جیل میں رہے، پھر اللہ ربّ العزّت نے اپنے محبوب نبیؑ کی باعزّت رہائی کا بندوست فرما دیا۔ ہوا یوں کہ مِصر کے بادشاہ نے ایک ایسا حیران کُن اور پریشان کُن خواب دیکھا کہ درباری اور ماہرین فن بھی اُس کی تعبیر نہ

بتا سکے۔ قرآنِ پاک میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے ”اور بادشاہ نے کہا: ”مَیں خواب دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں، جنھیں سات دُبلی گائیں کھا جاتی ہیں اور سات سبز خوشے ہیں اور سات خشک۔ اے دربار والو! مجھے میرے خواب کی تعبیر بتلاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر دینے والے ہو۔“ اُنھوں نے کہا” یہ خیالی خواب و خیالات ہیں اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔“ (سورۂ یوسف 43،44) اُس وقت دربار میں وہ شاہی ساقی بھی موجود تھا۔ اُسے جیل میں قید حضرت یوسفؑ یاد آگئے۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ ”اگر مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت عنایت فرمادیں، تو مَیں اس خواب کی تعبیر آپ کو لا دوں گا۔“ بادشاہ نے اُسے اجازت دے دی، تو وہ حضرت یوسفؑ کے پاس آیا۔ قرآنِ پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ' ' ہے ”جب وہ یوسفؑ کے پاس آیا، تو کہنے لگا ”اے یوسفؑ! آپؑ بڑے سچّے ہیں! آپؑ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں، جنہیں سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے ہیں اور سات ہی خشک، تاکہ مَیں اُن لوگوں کے پاس واپس (جاکر تعبیر بتاؤں) عجب نہیں کہ وہ (تمہاری قدر) جانیں۔“ یوسفؑ نے کہا” تم لوگ سات سال تک متواتر کھیتی کرتے رہوگے، تو جو (غلّہ) کاٹو، تو تھوڑے سے غلّے کے سِوا، جو کھانے میں آئے، باقی خوشوں ہی میں رہنے دینا۔ اس کے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے۔ وہ اس غلّے کو کھا جائیں گے، جو تم نے اُن کے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا۔ صرف وہی تھوڑا سا رہ جائے گا، جو تم احتیاط سے رکھ چھوڑوگے۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ خُوب مینہ برسے گا اور لوگ اس میں رَس نچوڑیں گے۔“ (سورۂ یوسف 46 تا 49) حضرت یوسفؑ نے نہ صرف خواب کی تعبیر بیان فرمائی، بلکہ اناج کو کیڑے سے محفوظ رکھنے کے لیے ہم دَردانہ مشورہ بھی دے دیا۔

رہائی سے پہلے الزام کی تحقیق کی شرط

شاہی ساقی نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر خواب کی تعبیر بیان کی، تو بادشاہ بہت حیران ہوا۔ اُس نے حکم جاری کیا کہ تعبیر بتانے والے کو دربار میں پیش کیا جائے۔ قاصد فوری طور پر حضرت یوسفؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دربار میں چلنے کی درخواست کی۔ آپؑ نے فوری طور پر جانا پسند نہ فرمایا اور قاصد سے کہا” اپنے بادشاہ کے پاس جاکر پوچھو کہ اُن عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے؟ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔“ اس پر بادشاہ نے عورتوں کو طلب کیا اور پوچھا” اے عورتو! کیا ہوا تھا، جب تم نے یوسفؑ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا؟“ سب نے یک زبان ہو کر کہا” حاشاللہِ! ہم نے اُن میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔“ عورتوں نے جب حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کی گواہی دے دی، تو زلیخا شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ وہ بولی” اب سچّی بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے، (اصل یہی ہے کہ) مَیں نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بے شک سچّے ہیں۔“ (سورۂ یوسف 51) دراصل حضرت یوسفؑ نے رہائی سے قبل ضروری سمجھا کہ اس معاملے کی اصل حقیقت کُھل کر واضح ہو جائے، تاکہ عوام الناس آپؑ کے بارے میں غلط فہمی میں نہ رہیں۔ بنابریں وہ کئی برس جیل میں رہے۔

بادشاہ کے دربار میں

حضرت یوسفؑ کو دربار میں لایا گیا، تو بادشاہ نے بڑا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور آپؑ سے خواب کی تمام تفصیلات اور اُن کا حل دریافت کیا۔ بادشاہ، آپؑ کی فہم وفراست اور فطانت و ذہانت سے بے حد متاثر ہوا۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا" مجھے اس مُلک کے خزانوں پر مقرّر کر دیجیے، کیوں کہ مَیں حفاظت کر سکتا ہوں اور (اس کام سے) واقف بھی ہوں"۔ بادشاہِ مصر ایک جہاں دیدہ، تجربہ کار اور چہرہ شناس شخص تھا، اُس نے آپؑ کو خزانے سمیت اُمورِ مملکت میں مختارِ کُل بنادیا۔

خوش حالی کے سات سال اور قحط کی ابتدا:

شاہِ مِصر کے خواب کے مطابق شروع کے سات سال خُوش حالی کے تھے۔ آپؑ نے بہترین حکمتِ عملی اختیار کرتے ہوئے تین اہم کام کیے (1) اناج کی پیداوار میں بڑے پیمانے پر اضافہ، بنجر زمینوں پر کاشت کا خصوصی انتظام (2) اناج کے استعمال میں احتیاط اور کفایت شعاری (3) اناج کی زیادہ سے زیادہ ذخیرہ اندازی۔ سات برس بعد قحط کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوگئے۔ آپؑ نے عوام کو تاکید کر دی تھی کہ جس قدر ممکن ہو، اپنے گھروں میں غلّہ جمع کرلیں۔ ایک برس بعد آپؑ نے اعلان کروادیا کہ اناج کی تقسیم صرف دربارِ شاہی سے ہوگی۔ لہٰذا، لوگ اناج کے حصول کے لیے وہاں کا رُخ کرنے لگے، جہاں حضرت یوسفؑ کی نگرانی میں اناج تقسیم کیا جاتا تھا۔ آپؑ نے غلّے کی فروخت کا ایک خاص پیمانہ بنایا تھا۔ کسی کو بھی ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ غلّہ نہیں ملتا تھا۔ قحط نے مِصر کے علاوہ شام اور فلسطین سمیت پورے خطّے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت یوسفؑ کی فیّاضی اور رحم دلی کی شہرت بھی دُور دُور تک پھیل چکی تھی۔ لوگ جُوق در جُوق آتے اور اناج خرید کر چلے جاتے۔ حضرت یعقوبؑ کا خاندان، فلسطین میں تھا اور جب آپؑ کو عزیزِ مِصر (یعنی حضرت یوسفؑ) کی فیّاضی کا علم ہوا، تو بیٹوں سے کہا: "تم بھی مِصر جا کر اُس رحم دِل حکم ران سے غلّہ لے آؤ۔"

برادرانِ یوسفؑ دربار میں:

بنیامین کے علاوہ دسوں بھائی شاہی دربار میں غلّہ لینے پہنچ گئے، جہاں حضرت یوسفؑ شان و شوکت کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ بھائی تو اُنھیں نہ پہچان سکے، لیکن اُنھوں نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا۔ حضرت یوسفؑ سات برس کی عُمر میں اُن سے جدا ہوئے تھے اور اب چالیس سال کے ہو چُکے تھے۔ آپؑ نے مزید اطمینان کے لیے اُن سے سوالات کیے اور فرمایا: "تم مِصری معلوم نہیں ہوتے، تمہاری زبان بھی عبرانی ہے۔ کہیں کسی دشمن مُلک کے جاسوس تو نہیں ہو؟" ان سوالات کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے حالات کے بارے میں سب کچھ بتا دیں۔ سوتیلے بھائیوں میں سے ایک نے بتایا کہ وہ نبی زادے ہیں اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد ہیں۔ "ہم بارہ بھائی تھے، ایک بھائی کو بچپن میں بھیڑیا کھا گیا، جس کے غم میں ہمارے والد نابینا ہو چُکے ہیں۔ ایک چھوٹا بھائی ہے، جسے والد کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ آئے ہیں۔" حضرت یوسفؑ نے اُنہیں شاہی مہمان خانے میں رکھا۔ جاتے ہوئے پورا اناج دیا اور کہا: "آیندہ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لانا۔ اگر تم اُسے لے کر نہیں آئے تو نہ غلّہ ملے گا اور نہ خاطر مدارات ہوگی۔" اس کے ساتھ ہی آپؑ نے خفیہ طور پر اُن کے اناج کی رقم بھی اُن کی بوریوں میں رکھوا

دی۔ بھائی خوشی خوشی اناج لے کر کنعان واپس آئے، تو والد کو عزیزِ مصر کے حُسنِ سلوک، فیّاضی اور رحم دِلی کے واقعات سُنائے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اُنھوں نے حکم دیا ہے کہ اگر آئندہ اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ نہ لائے، تو اناج نہیں ملے گا، للذا بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے تاکہ ہم پھر غلّہ لائیں، ہم اس کی نگہ بانی کریں گے۔ (حضرت یعقوبؑ) نے کہا: ”مجھے تو اس کی بابت تمہارا بس ویسا ہی اعتبار ہے، جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تھا۔ سو، اللہ ہی بہترین نگہبان اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

بنیامین مِصر میں :

اناج ختم ہونے لگا، تو اُنہوں نے دوبارہ مصر جانے کا قصد کیا اور بنیامین کو ساتھ لے جانے کے لیے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت یعقوبؑ سابقہ تجربے کی بنا پر بنیامین کو ساتھ بھیجنے پر آمادہ نہ تھے۔ للذا، اُنھوں نے کہا کہ ”مَیں تو اسے ہر گز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا، جب تک کہ تم اللہ کو گواہ بنا کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ اسے میرے پاس صحیح سالم لے آؤگے۔ سوائے اس ایک صورت کے کہ تم سب گرفتار کر لیے جاؤ (یعنی تمہیں کوئی اجتماعی مصیبت پیش آجائے یا تم سب ہلاک ہو جاؤ)۔“ جب اُنہوں نے عہد کر لیا، تو حضرت یعقوبؑ نے اُنہیں ہدایت کی: ”اے میرے بیٹو! تم سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا، بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا اور مَیں اللہ کی تقدیر تو تم سے نہیں روک سکتا۔ (بے شک) حکم اسی کا ہے۔ مَیں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اہلِ توکّل کو اسی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔“ (سورۂ یوسف۔ 67-66)

یہ سب بھائی بنیامین کو ساتھ لے کر عزیزِ مصر کے دربار میں پہنچ گئے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی کو پہچان لیا۔ آپؑ نے دو، دو بھائیوں کو ایک کمرے میں ٹھہرایا، اس طرح بنیامین تنہا رہ گئے، تو اُنہیں الگ کمرے میں رکھا اور پھر خلوت میں اُنہیں بتا دیا کہ وہ اُن کے حقیقی بھائی، یوسفؑ ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے بنیامین سمیت سب بھائیوں کا اناج اُن کے اونٹوں پر لدوا دیا اور وہ خوشی خوشی روانہ ہوگئے۔ قرآنِ پاک میں ہے ”پھر جب اُنہیں اُن کا سامان ٹھیک ٹھیک کر کے دیا، تو اپنے بھائی کے سامان میں پانی پینے کا پیالہ رکھ دیا۔ پھر ایک آواز دینے والے نے پکار کر کہا ”اے قافلہ والو! تم لوگ تو چور ہو۔“ وہ اُن کی طرف متوجّہ ہو کر کہنے لگے: ”تمہاری کیا چیز چوری ہوئی ہے؟“ وہ بولا ”بادشاہ کا پیالہ کھو گیا ہے اور جو شخص اس کو لے آئے، اس کے لیے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلّہ انعام ملے گا اور مَیں اس کا ضامن ہوں۔“ وہ کہنے لگے کہ ”اللہ کی قسم! تم کو معلوم ہے کہ ہم اس مُلک میں اس لیے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور نہ ہم چور ہیں۔“ اُنہوں نے کہا ”اچھا! اگر تمہارے سامان میں وہ پیالہ مل گیا، تو پھر اس کی سزا کیا ہو گی؟“ بھائیوں نے جواب دیا ”یعقوبؑ کی شریعت میں اس کی سزا یہی ہے کہ چور کو اس شخص کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔“ سب کو مع سامان حضرت یوسفؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ وہاں سب بھائیوں کے سامان کی تلاشی ہوئی اور آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی کے دَوران وہ پیالہ اُن کے سامان سے برآمد ہو گیا۔ جرم ثابت ہونے پر بنیامین کو جانے کی اجازت نہیں ملی۔“

بھائیوں کاآپس میں مشورہ اور کنعان واپسی

بھائیوں کو فکر تھی کہ والد کو کیا جواب دیں گے۔ اُنہوں نے حضرت یوسفؑ سے درخواست کی "بنیامین کے والد بہت بوڑھے ہیں، اِس کی جگہ آپؑ ہم میں سے کسی کو روک لیں۔" حضرت یوسفؑ نے فرمایا" یہ ممکن نہیں۔ جس کے سامان سے مال برآمد ہوا ہے، وہی سزا کا مستحق ہے۔" بھائی بڑے مایوس ہوئے اور آپس میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔ سب سے بڑے بھائی نے کہا کہ "کیا تمہیں یاد نہیں کہ اپنے والد سے بنیامین کو واپس لانے کا پختہ عہد کیا تھا۔ ہم سب اس سے پہلے یوسفؑ کے معاملے میں بھی کوتاہی کر چکے ہیں، تو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں، مَیں تو اس جگہ سے ہلنے کا نہیں۔" (سورۂ یوسف۔ 80) یہ بڑا بھائی یہودا تھا۔ باقی نو بھائی مِصر سے روانہ ہوئے اور کنعان پہنچ کر والد کو ساری صُورتِ حال سے آگاہ کیا۔ ساتھ ہی اپنی صفائی بیان کرتے ہوئے گویا ہوئے "اگر آپؑ کو ہماری باتوں کا یقین نہیں، تو آپؑ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیں، جہاں ہم مقیم تھے۔" حضرت یعقوبؑ نے فرمایا "مَیں تو اپنی پریشانی اور رنج و غم کی فریاد اپنے اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں، جو تم نہیں جانتے۔ میرے بیٹو! تم جاؤاور یوسفؑ اور اس کے بھائی کو پوری طرح تلاش کرواور اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں، جو کافر ہیں۔" (سورۂ یوسف 87-86)

حضرت یعقوبؑ کا خط

یہ سب بھائی حضرت یعقوبؑ کے اصرار پر دوبارہ عزیزِ مِصر کے دربار میں گئے اور نہایت عاجزی و انکساری سے بھائی کی رہائی کی اپیل کی۔ ساتھ ہی باپ کے بڑھاپے، ضُعف اور دوسرے بیٹے کی جدائی کے صدمے کا بھی ذکر کیا۔ حضرت یوسفؑ کا دِل بھر آیا، آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ روایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے عزیزِ مِصر کے نام ایک خط بھی لکھ کر دیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے خط پڑھا، تو بے اختیار رونے لگے اور پھر اپنے راز کو ظاہر کر دیا۔ تعارف کی تمہید کے طور پر بھائیوں سے سوال کیا: "تم کو کچھ یاد بھی ہے کہ یوسفؑ اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا۔" بھائیوں نے جب عزیزِ مِصر کی زبان سے اپنے بھائی یوسفؑ کا تذکرہ سُنا، تو حیران رہ گئے اور گھبرا کر بولے "کیا سچ مُچ تم ہی یوسفؑ ہو؟" حضرت یوسفؑ نے جواب دیا "ہاں! مَیں ہی یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے، تو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔" (سورۂ یوسف۔90) بھائیوں نے جب حضرت یوسفؑ کی یہ شان دیکھی، تو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کر لیا۔ آپؑ نے بھی پیغمبرانہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے اُنہیں معاف کر دیا۔

حضرت یعقوبؑ کی بینائی

حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو بہت سا اناج دیتے ہوئے کہا کہ "میرا یہ کُرتا لے جاؤ، اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دینا، اُن کی بینائی واپس آجائے گی اور تم سب اپنے اہل و عیّال کے ساتھ میرے پاس آجاؤ۔" قافلہ قمیص لے کر چلا ہی تھا

کہ ڈھائی سو میل دُور، کنعان میں حضرت یعقوبؑ نے آس پاس کے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا: ''اگر تم لوگ مجھ کو یہ نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا ہے، تو مجھے یوسفؑ کی خُوش بُو آ رہی ہے۔'' بھائی واپس کنعان پہنچے اور والد کے چہرے پر کُرتا ڈالا، جس سے اُن کی بینائی بحال ہو گئی۔ آپؑ نے بیٹوں سے فرمایا: ''کیا مَیں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ مَیں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے؟'' (سورۂ یوسف 96)

حضرت یعقوبؑ دربارِ مصر میں

کچھ دنوں بعد حضرت یعقوبؑ اہلِ خانہ کے ہم راہ مِصر روانہ ہو گئے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک بڑی سپاہ کے ساتھ شہر سے باہر والد اور خاندان والوں کا استقبال کیا۔ چالیس سال بعد ہونے والی اس ملاقات نے باپ، بیٹے یعنی اللہ کی دو پاکیزہ اور بر گزیدہ ہستیوں کو آب دیدہ کر دیا۔ دونوں دیر تک ایک دوسرے کے گلے لگے رہے۔ آپؑ نے والد اور سوتیلی والدہ کو تختِ شاہی پر بٹھایا۔ پھر خود تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوئے، تو شاہی آداب کے مطابق تمام درباریوں نے سجدہ کیا۔ یہ صُورتِ حال دیکھ کر خاندانِ یوسفؑ نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت یوسفؑ کو اپنا بچپن کا خواب یاد آ گیا۔ اُنھوں نے کہا کہ ''اے ابّا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے، جو مَیں نے بچپن میں دیکھا تھا اور جس کو میرے ربّ نے سچّا کر دِکھایا۔ بادشاہ، حضرت یوسفؑ پر ایمان لے آیا تھا اور اُس نے امورِ سلطنت آپؑ کے سپرد کر دیے تھے۔ حضرت یوسفؑ کے خاندان نے مِصر ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور اس طرح بنی اسرائیل سر زمینِ مِصر میں آباد ہو گئے۔

حضرت یوسفؑ کا انتقال ایک سو بیس برس کی عُمر میں ہوا اور دریائے نیل کے کنارے دفن ہوئے۔

سوال نمبر ۱:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید کی کس سورہ میں بیان کیا گیا ہے؟

سوال نمبر ۲:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کس ملک میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات کہاں ہوئی؟

سوال نمبر ۳:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کیا سوچ کر کنوئیں میں ڈالا تھا؟

سوال نمبر ۴:۔ جیل میں تعبیر بتانے کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا پیغام پیش کیا؟

سوال نمبر ۵:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں آپ کے لیے سب مؤثر واقعہ کیا ہے؟

سوال نمبر ۶:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی سے ہمیں کیا کیا نصیحتیں ملتی ہیں؟

سوال نمبر ۷:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں واقعات پیش آئے ہیں، ان کو سمجھنے کے لیے ایک نقشہ پیش کریں۔

سبق نمبر ۱۶

سوتیلی ماں کا آخری وقت

از: علامہ راشد الخیری

جب اشرف جہاں بیگم کو اپنی زندگی سے نا اُمیدی ہوئی، حکیم جواب دے چکے۔ اُس آسمانی حُور نے جو انسانی صُورت لے کر دُنیا میں آئی تھی، اپنے تمام عزیزوں کو جمع کیا۔ جاڑوں کا موسم تھا اور سوتیلے بچے اُس کے تلووں سے آنکھیں مل رہے تھے۔ بُخار کی شدت تھی اور غفلت لحہ بہ لحہ ترقی کر رہی تھی۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ اشرف جہاں بیگم نے آنکھ کھولی، چاروں طرف سے اللہ بسم اللہ ہوئی۔ کسی نے دُعائیں کیں اور کسی نے بلائیں لیں، اُٹھنے کا اِرادہ کیا تو اُوپر والوں کی جان میں جان آ گئی، شوہر نے جو دَم بخود کھڑا تھا سہارا لگایا، ساس نے گاؤ تکیہ رکھا اور وہ نیک بی بی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُٹھنے کی تکان سے سانس پُھول گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب سانس ٹھیک ہو گیا تو پانی مانگا، اور لڑکھڑاتی آواز میں زور سے کہا۔

پیاری بہنو! تُم میں سے بعض گو عُمر میں مجھ سے بڑی ہوں، مگر رشتہ میں سب چھوٹی ہیں۔ اب کہ میرا آخری وقت ہے۔ ضرورت ہے میں تُم سب کے سامنے اپنی گُذشتہ زندگی پر ایک نظر ڈالوں، میری زندگی اُن بیویوں کے واسطے جن کی شادی ہو چکی ہے شاید زیادہ مُفید نہ ہو، مگر اُن لڑکیوں کے واسطے جو بیویاں بننے والی ہیں یقیناً ایک نمونہ ہو گی۔

بیٹیو! تُمھاری طرح ایک دن میں بھی کُنواری تھی! ماں باپ کا سایہ میرے سر پر موجود تھا۔ بے فِکری کے دن تھے، آزادی کی راتیں، خُوشی کا وقت تھا، اطمینان کی باتیں، مگر جوانی نے اِس بے فکری کا خاتمہ کر دیا۔ شادی کے پیغام آنے شروع ہوئے، میں بظاہر خاموش تھی مگر نکاح میری زندگی اور موت کا فیصلہ تھا۔ تمام گفتگو غور سے سُنتی رہی، مگر اِس لیے کہ محض واقعات پر نتیجہ نکالنا ہوتا تھا، میں اماں ابّا کی رائے محض اس واسطے کہ وہ تجربہ کار تھے، اپنے سے بہت بہتر سمجھتی تھی۔

پھر بھی آج جب کہ نو برس سے زیادہ ہوئے ہیں، زبان سے نکالتی ہوں کہ اماں جان کے ایک پیغام سے انکار کرنے کا مجھ کو اتنا رنج ہوا کہ میں نے دو وقت روٹی نہیں کھائی۔ یہ میرے چچا کے بیٹے کا پیغام تھا، لیکن آخرکار اُن کی رائے ٹھیک نکلی اور میرا خیال بالکل غلط نکلا۔ اُس شخص نے پے در پے تین بیویاں کیں اور تینوں کو جَلا جَلا اور گُھلا گُھلا کر پار اُتارا۔ جب اماں جان نے اِس گھر کو جس میں ہم سب بیٹھے ہیں پسند کیا اور اس بَر پر رضامندی ظاہر کی تو مجھ کو سب سے بڑا اندیشہ یہ تھا کہ اِن دونوں کلیجہ کے ٹکڑوں کو جو میرے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، کہنے کو سوتیلے مگر پیٹ کے بچوں سے زیادہ عاشقِ زار، کس طرح خُوش رکھوں گی۔ یہی دھڑکا تھا جس کو ساتھ لیے میں سُسرال میں آ داخل ہُوئی۔ سرکار نے جیسا دنیا کے تمام مردوں کا قاعدہ ہے میری صُورت دیکھتے ہی بچوں کی وقعت کم کر دی۔ اِن کا کھانا پینا، پہننا اوڑھنا سب میرے ہاتھ میں تھا۔ میں خود بچہ تھی اور اِن بچوں کی خدمت میرے بَس کا کام نہ تھا، پھر بھی خوفِ خُدا میرے دل میں تھا۔ میں سمجھتی

تھی کہ دُنیا کی کسی حالت کو قیام نہیں۔ زندگی کے ساتھ انقلاب لگے ہوئے ہیں، یہ دو معصوم رُوحیں جو قُدرت نے میرے سُپرد کی ہیں محض میری شفقت کی محتاج ہیں۔ نہ معلوم چند روز بعد میں اِس شفقت کے قابل بھی رہوں یا نہ رہوں۔ میں اندھی، لنگڑی، گانڑی رانڈ ہو جاؤں اور بھیک بھی مُجھ کو مُیّسر نہ ہو۔ اِس لیے جہاں تک ممکن ہوتا میں اِن کی خاطرِ مدارات کرتی۔

دو سال اِسی طرح گُذرے اور میں بھی ایک بچہ کی ماں بن گئی۔ مُجھے اب اپنے بچہ کے آگے یہ دونوں زہر معلوم ہوتے اور ہر وقت یہ خواہش ہوتی کہ سرکار کی تمام محبت چاروں طرف سے کھنچ کر میری طرف آ جائے۔ میری آرزو پُوری ہوئی، سرکار دَم بھر میرے بچے سلمان کو آنکھ سے اوجھل نہ کرتے اور اپنے بچہ عرفان کو جو مشکل سے تین برس کا ہوگا، ہمارے کمرے تک میں گھسنے نہ دیتے۔ اِسی طرح چار برس بیت گئے۔ مُجھے دن عید اور رات شبِ برات تھی۔ اِن سوتیلے بچوں کا کانٹا قریب قریب نکل چُکا تھا۔ یہ زندہ تھے مگر مُردوں سے بدتر۔ میں بھی اُس وقت کچھ ایسے گھمنڈ میں تھی کہ مُجھے ان سے سیدھے منہ بات کرنا قسم۔ میں جو ہاتھ اُٹھا کر دیتی یہ لے لیتے، جو کہہ دیتی وہ کر لیتے۔ عرفان لاکھ بچہ تھا مگر چھ سات برس کا بچہ اپنی حالت اچھی طرح پہچانتا، اور اپنی عزت پُوری پُوری طرح جانتا، دن بھر میرے بچے کے پیچھے خُوشامد کرتا پھرتا، پِٹتا کُٹتا، گھرکیاں سُنتا اور اُف نہ کرتا۔ مُجھ کو خود ایسے لڑکے کی ضرورت تھی، جو ہر وقت سلمان کی خدمت کرتا، اس کو بہلائے کِھلائے، اس کی خدمت کرے۔ اِن داموں عرفان مجھ کو کُچھ گِراں نہ تھا۔ سلمان کھانا کھا چُکتا تو اس کے آگے کا بچا بچایا کھانا بھی میں اسی کو دے دیتی، پُرانی دُھرانی جُوتی، پھٹا پُرانا کُرتا بھی اسی کے کام آتا۔

میری سوکن کے زمانے کا ایک طوطا تھا جس کو سب ہیرامن کہتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ گرمی کے موسم میں شام کے وقت میں نہانے جا رہی تھی۔ سونے کی گھڑی نکال کر میں نے رکھنی چاہی۔ سلمان میرے پاس بیٹھا کھیل رہا تھا۔ گھڑی دیکھتے ہی مچل گیا۔ دس بیس رُوپے کی چیز ہوتی تو خیر تھی، ساڑھے تین سو کی گھڑی، میں نے اٹھا صندُوقچہ میں چُھپا دی۔ بچہ مچل گیا، لگا پٹخنیاں کھانے، عرفان کھڑا اُس کو پنکھا جھل رہا تھا، بہلایا چُمکارا مگر بچہ کسی طرح قابُو میں نہ آیا۔ اسی سلسلے میں غریب جا کر طوطے کا پنجرہ اُٹھا لایا اور کہنے لگا،

"مٹھو میاں پر ہنس رہا ہے۔"

وہ تو ادھر بہلا اور میں غُسل خانہ میں پہنچی۔ ابھی اچھی طرح نہانے بھی نہ پائی تھی کہ اس کے بلکنے کی آواز میرے کان میں پہنچی، کیسا نہانا اور کس کا غُسل، جلدی سے تین لوٹے ڈال باہر آئی تو کیا دیکھتی ہُوں کہ بچہ کی اُنگلی سے خُون کی تلّلی بندھی ہوئی ہے اور وہ تڑپ رہا ہے۔ محبت کے مارے بے تاب اور غُصہ کے مارے آگ بگولہ ہو گئی۔ انّا نے کہا مُوئے عرفان نے طوطے سے اُنگلی کٹوا دی۔ اتنا سُنتے ہی میں آپے سے باہر ہو گئی۔ بَس چلتا تو عرفان کی بوٹیاں کاٹ کر چیلوں کو دے دیتی۔ میں نے ایک غضب کی بھری ہوئی نگاہ اُس پر ڈالی، اُس کی رنگت زرد پڑی ہوئی تھی اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہی طوطے کا پنجرہ جس کی ایک تیلی ٹوٹی ہوئی تھی، اُٹھا کر اس کے منہ پر اس زور سے مارا کہ تیلی اُنگل بھر کان میں گھس گئی۔ اس کے گورے گورے گلّے خُون میں لہو لہان ہوگئے۔ بِن ماں کا بچہ اس وقت مُصیبت کی سچی تصویر تھا۔ بیکسی اس کے چہرے پر

برس رہی تھی اور گھونگھر والے بال اُس کی بے گناہی کی داد دے رہے تھے۔ اُس کی معصُوم آنکھیں آنسوؤں کی جھڑیاں بہا رہی تھیں مگر میرے غُصے کی آگ کسی طرح ٹھنڈی نہ ہوتی تھی۔ جب تک انّا نے اُنگلی دُھلا کر پٹی باندھی، میں نے اس مُصیبت کے مارے کا ہاتھ پکڑ کر دو طمانچے اور مارے اور پھر ایک ایسا دھکا دیا کہ بے قرار ہو کر دَر پر جا کر پڑا اور ستون کی ٹکر بَھوں میں چُبھ گئی۔ کنپٹی پہلے ہی لہُولہان ہو رہی تھی، بھوں بھی زخمی ہو گئی۔ بے بَس اور مظلوم عرفان کی وہ تصویر آج تک میرے دل سے فراموش نہ ہوئی۔ اس کے کپڑے خُون میں شرابور تھے مگر اس کو اپنی تکلیف کا مطلق خیال نہ تھا، بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ مار پیٹ کا یقین تھا، اس کی آنکھ سے آنسو جاری تھے وہ ہاتھ جوڑے مجھ کو ایسی نظر سے دیکھ رہا تھا جو میرے رحم کی التجا کر رہی تھی۔ ڈر کے مارے آواز بند تھی اور ایک آٹھ برس کی جان میرے سامنے بیری کی طرح تھر تھر کانپ رہی تھی۔

میں اس حالت میں غُصہ سے بھری سلمان کو گود میں لیے اپنے کمرے میں پہنچی۔ وہ سو گیا تھا پلنگ پر لٹا دیا۔ اتنے ہی میں سرکار تشریف لے آئے۔ میں سلمان کو کلیجہ سے لگائے بیٹھی تھی دیکھتے ہی گھبرا گئے اور پُوچھا،

"کیوں؟ خیر تو ہے؟"

میں آب دیدہ ہو کر، "ہاں شکر ہے اللہ کا! اس کا پِنڈا اِبھیکا ہو گیا، وقت کی بات ہے، چُوک گئی۔ انّا کمبخت بھی اُدھر چلی گئی، عرفان نے طوطے سے کٹوا دیا، اتنا سارا جیتا جیتا خُون نکل گیا، یہ بِلَک رہا تھا وہ ہنس رہا تھا۔ میں نہ آؤں تو ساری اُنگلی الگ ہو جائے۔"

سرکار کی حالت تو اتنا سنتے ہی کچھ سے کچھ ہو گئی۔ وہ بغیر کپڑے اُتارے باہر گئے اور عرفان کو اُٹھا کر انگنائی سے باہر پھینک دیا۔ آٹھ برس کے بچہ کی بساط ہی کیا۔ ہاتھ کی ہڈی چڑ سے ٹوٹ گئی۔ ایسی حالت میں سرکار نے اُس کے کپڑے اُتروائے اور ہنٹر لے کر اس قدر مارا کہ تمام کھال اُدھڑ گئی۔ بے گناہ معصُوم کے پاس قصُور سے بَری ہونے کی کوئی شہادت نہ تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک خُون میں ڈُوب چکا تھا اور کوئی حمایتی، لاوارث عرفان کا ایسا نہ تھا جو ہم ظالموں کے قبضہ سے مظلوم کو نکال لے۔ آخر سرکار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دیا اور سلمان کو گود میں لے کر بیٹھ گئے۔ میں اُس وقت نہایت خُوش، دل میں ہنستی، ظاہر میں ٹھنڈے سانس بھرتی باہر آئی۔ رات چاندنی تھی، آٹھ بج چکے تھے، ڈیوڑھی میں کُھسر پُھسر کی آواز کان میں آئی، میرا قدم دھرنا تھا کہ احسان عرفان کا بڑا بھائی جو اب دس برس کا تھا، میری صُورت دیکھتے ہی سہم گیا۔ اس کی گود میں عرفان کا سر تھا، وہ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا،

"یہ سو گیا، جاگتا ہی نہیں، میں اس کو ابھی لے جاتا ہوں۔"

احسان نے رو رو کر کچھ اس درد سے بھائی کی حالت بیان کی کہ اُس وقت میں بھی لرز گئی، دیکھتی ہوں تو عرفان بیہوش پڑا ہے۔

گھبرا کر گھر میں آئی، سرکار کی آنکھ لگ گئی تھی۔ صندوقچی کھول کر عطر نکالا۔ ٹرنک منگوا کر کپڑے نکالے، لے کر آئی تو دونوں بچے جا چکے تھے۔ خاموش آکر بیٹھ گئی، معاملہ پر غور کیا تو بِن ماں کا بچہ بے گناہ تھا۔ اُس پر جو ظُلم ٹُوٹا وہ خُدا دُشمن

کو بھی نہ دِکھائے۔ اس کی عبرت ناک تصویر، اس کا میرے آگے ہاتھ جوڑنا، بلکنا اور رونا میرے کلیجے کے پار ہو رہا تھا۔ دل نے اُس وقت یہ صدا دی۔ اشرف! زندگی کا اعتبار نہیں۔ اگر آج تیرا دَم نکل گیا تو عرفان سے بدتر حالت سلمان کی ہو گی۔

اِس خیال کا دل میں آنا تھا کہ سلمان کی یہی تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ برقع اوڑھ باہر نکل گئی۔ کوٹھی کے سامنے قبرستان تھا۔ چاندنی رات میں دو معصُوم بچے ایک قبر پر نظر آئے۔ چھوٹا بیہوش تھا اور بڑا اُس کی صُورت دیکھ دیکھ کر تڑپ رہا تھا۔ میں چُپکی کھڑی اُن کو دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً چھوٹا کسمسایا اور بڑے نے اُس کے منہ پر منہ رکھ کر کہا،

"بھائی، اُٹھ بیٹھ۔"

عرفان: "بھائی میرے ہاتھ میں بڑا درد ہو رہا ہے۔ ہاتھ نہیں اُٹھتا۔ ابا جان نے جو باہر پھینکا تو چوٹ لگ گئی۔"

احسان: "لا، میں اپنا کُرتا اُتار کر باندھ دُوں۔ ہمارا بھی تو اللہ ہے۔ اب ہم بڑے ہو جائیں گے تو آپ کمانے لگیں گے۔"

عرفان: "اچھے بھائی، خُدا کے لیے میرا سر دبا دے، بڑا درد ہو رہا ہے۔ تیلی آدھی گُھس گئی ہے، پھر ستون گُھسا۔ میری اماں ہو تیں تو وہ دبا دیتیں۔"

احسان: "اماں کے سامنے ابا مارتے ہی کیوں! اماں ہی کے مرنے سے تو ہماری مٹی ویران ہوئی۔ اس قبر میں اماں میری سو رہی ہیں۔ اماں جان ہم کو بھی کلیجے سے لگا لو۔"

یہ کہہ کر دونوں بھائی لپٹ گئے اور چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

اس وقت میری حالت بھی بگڑ چکی تھی، موت میرے سامنے کھڑی تھی اور ظُلمِ ناحق کی سزا دوزخ کے شعلے میرے رُوبرُو بھڑک رہے تھے۔ میں دونوں کو اُٹھا کر گھر لائی۔ رات بھر ان کی خدمت کی۔ صبح اُٹھتے ہی ڈاکٹر کو بلایا۔ ہاتھ پر پٹی بندھوائی اور سچے دل سے خُدا کے حضور میں توبہ کی۔

وہ دن اور آج کا دن یہ تینوں اب جوان جوان میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ ان میں رتّی بھر فرق کیا ہو تو خُدا کے ہاں کی دین دار ہوں۔

"پیارے بچو احسان، عرفان! اس ظلم کی آج تم دونوں سے معافی مانگتی ہوں۔ میری زندگی ختم ہو گئی۔ اور اب میں اس جگہ جا رہی ہوں جہاں ہر فعل کی جزا اور ہر کام کی سزا بُھگتنی ہے۔ ایسا نہ ہو تم اس ظُلم کا دعویٰ کرو۔"

اب دونوں بچے اشرف جہاں بیگم کو لپٹے دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے،

"اماں جان ہمیں تو وہ بات ایک خواب سی یاد ہے۔ ہاں یہ اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کی محبت نے حقیقی ماں کو بُھلا دیا۔"

اب اشرف جہاں بیگم نے کہا: "پیاری بچیو! ممکن ہے تم کو بھی میری طرح ایسے بچوں سے سابقہ پڑے مگر یاد رکھو کہ ان کے دُکھے دلوں کی آہ اچھی نہیں ہوتی۔ جس طرح میں اپنے فعل پر نادم ہو کر آج خُدا کے حضور میں سُرخ رُو جا رہی ہوں، اسی طرح جانے کی کوشش کرنا، اور وہ موت ایسی ہو گی جس پر ہزاروں زندگیاں قربان ہوں۔

سوال نمبر ۱:۔ سوتیلی ماں کا آخری وقت اردو ادب کے کس صنف کے تحت آتا ہے؟
سوال نمبر ۲:۔ اشرف جہاں بیگم کے بیٹے کا نام کیا تھا؟
سوال نمبر ۳:۔ اس سبق میں کن دو بچوں کے ساتھ ظلم ہوا اور کیوں؟
سوال نمبر ۴:۔ اس مشہور افسانہ سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟
سوال نمبر ۵:۔ علامہ راشد الخیری کو کس مشہور لقب سے جانا جاتا ہے؟
مشق (۱) علامہ راشد الخیری کی دو کتابوں کے نام لکھیں۔
مشق (۲) علامہ راشد الخیری کی کتابوں سے چند اقتباسات لکھیں۔

سبق نمبر ۱۷

رمضان المبارک اور اسلامی ثقافت

روزہ جہاں تقویٰ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے وہاں یہ ایک نئی ثقافت ، ایک نئی فکر اور ایک نئے تصورِ حیات سے روشناس کرانے کا نام بھی ہے۔ چناں چہ رمضان ایک ایسی ثقافت کو پروان چڑھاتا ہے جس کی بنیاد تقویٰ اور توحید ہے۔ یہ تہذیب اپنے مظاہر اور اپنے اثرات کے لحاظ سے ایک منفرد پہچان اور شخصیت کی حامل ہے۔ ہم عام طور پر ثقافت اس مجموعی تہذیبی عمل کو کہتے ہیں جس میں اس تہذیب کی اقدارِ حیات، فنونِ لطیفہ، شعر و ادب، فن تعمیر، قانون، تعلیم و معاشرت اور معیشت اس تہذیب کے نظریے کی عکاسی کرتی ہوں۔

اسلامی ثقافت کی بنیاد:

اسلامی ثقافت کی بنیاد عقیدۂ توحید، وحدت بنی آدم اور تقویٰ پر ہے۔ یہ بات کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ رمضان المبارک تقویٰ پیدا کرنے والا مہینہ ہے اور تقویٰ کا واضح مظہر وہ زبان، وہ لباس، وہ غذا ہو گی جو تقویٰ پر مبنی ہو، مثلاً تقویٰ مطالبہ کرتا ہے کہ لباس سادہ اور ساتر ہو، غذا حلال ہو، زبان فحش نہ ہو اور اس میں نرمی و احترام پایا جائے۔ چناں چہ جو تہذیب بھی ان بنیادوں پر قائم ہو گی اس کے ماننے والوں کے طرزِ عمل اور بود و باش میں توحید اور تقویٰ کی جھلک ہو گی۔ اس

زاویے سے دیکھا جائے تو رمضان ایسی ثقافت کو متعارف کراتا ہے جو توحید اور تقویٰ پر قائم ہے اور جس کا اظہار تہذیبی اداروں میں پایا جاتا ہے۔

روزہ ایک الہامی ثقافت کو پروان چڑھاتا ہے، چناں چہ رمضان کا پورا عرصہ اس بات کی تربیت دیتا ہے کہ ایک شخص سوچنے کے زاویے کون سے اختیار کرے۔ اس کے علم کا ماخذ اور مصدر کیا ہو؟ صداقت سے کیا مراد ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ عدل کی حقیقت کیا ہے؟ اسلامی ثقافت ان تمام بنیادی سوالوں کے واضح جواب فراہم کرتی ہے۔ چناں چہ اس مہینے کا آغاز جس چیز سے ہوتا ہے وہ رضا کارانہ طور پر اللہ کی بندگی میں آنا اور حاکمیت الٰہی کا اقرار ہے کہ ایک انسان اپنی قسمت کا، اپنے معاملات کا فیصلہ کرنے والا خود نہیں ہے بلکہ یہ دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے کہ اُس کا خالق، اُس کا مالک، اُس کا رب کس چیز سے خوش ہوتا ہے۔ کسی بھی معاملہ کو طے کرنے کی بنیاد کیا محض ذاتی رائے، محض ذاتی تجربہ، محض ذاتی مشاہدات ہوں یا فیصلے کی بنیاد اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور ہدایت ہوگی۔ رمضان جس ثقافت کو قائم کرتا ہے اس کی پہچان للّٰہیت ہے، یعنی ہر کام کو کرنے سے قبل یہ جائزہ لینا کہ اس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ ' ' خوش ہوں گے یا ناراض۔ یہی تقویٰ کی عام فہم تعریف ہے۔

اسلامی ثقافت جس تہذیب کو قائم کرتی ہے اس میں توازن، سادگی اور تقویٰ کا اظہار ہر عمل میں پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر لباس ایک تہذیبی علامت ہے۔ ایک شخص جو لباس پہنتا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا مقصد حیات کیا ہے؟ کیا وہ معاشرے میں بسنے والے افراد کو اپنے لباس کے ذریعہ اپنی دولت اور معاشی مقام و مرتبے سے آگاہ کرنا چاہتا ہے، یا ساتر اور سادہ لباس کے ذریعہ اپنی سادگی اور نمایشی کاموں سے بچنے کی عادت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی ایسا لباس استعمال کرے جس سے نمایش مقصود ہو تو ایسا لباس اسلامی ثقافت و تہذیب کے منافی ہوگا۔ رمضان کے دوران نہ صرف لباس بلکہ گفتگو میں بھی اسلامی اخلاقی اصولوں کا لحاظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ رمضان میں جو ماحول پیدا ہوتا ہے وہ ہر اچھی بات کو پھیلانے میں مددگار ہوتا ہے اور ہر بُری بات کو روکنے میں امداد کرتا ہے۔

رمضان المبارک جس ثقافت کو متعارف کرانا چاہتا ہے اس کی پہچان زبان کی احتیاط، نگاہ کی احتیاط، کان کی احتیاط، معاملات میں احتیاط ہے۔ گویا کہ یہ ایک ایسی تہذیبی تبدیلی ہے جو ایک ماہ کے عرصے میں ایک نئی تہذیبی روایت اور ماحول کو پیدا کرتی ہے۔ جس میں تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب تعاون کرو) اور وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ المائدہ ۵:۲) کی جھلک نظر آتی ہے۔

شریعت کا احترام اور اسلامی اقدار کی پابندی:

ثقافت کے عناصر ترکیبی میں قانون بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان کے دوران اسلامی شریعت کے ہر حکم کی پیروی پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اس ماہ کی تربیت شریعت کے احترام اور پابندی کی عادت کو مستحکم کر دیتی ہے۔ بعض ممالک میں ابلاغ عامہ کو چلانے والے ادارے مغربی اور سرحد پار کی غیر اسلامی تہذیبوں کے زیر اثر رمضان میں بھی اپنے خیال میں جو 'دینی' پروگرام کرتے ہیں ان میں ایک نوجوان اور دوسری جانب ایک بنی سنوری خاتون کو بٹھا کر اسلامی

معاشرت پر قرآن و حدیث کے حوالے سے بات چیت یا سوال و جواب کراتے ہیں۔ یہ رمضان کے تقدس کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ حدیث نے حیاء کو ایمان کا بڑا حصہ قرار دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جس میں حیا نہیں وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اسلامی ثقافت حیا کی ثقافت ہے اور اس ماہ میں خصوصی طور پر حیا کا اختیار کرنا روزے کو مقبول بنا دیتا ہے۔ حیا محض شرم کا نام نہیں ہے بلکہ حیا ایک وسیع تصور ہے۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ بزرگوں کا احترام اور بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کس طرح اختیار کی جائے۔

روز مرہ کے معمولات:

رمضان کے دوران دین کے علم میں اضافے کے لیے کیا اقدامات کیے جائیں۔ مالی اختیارات میں فضول خرچی سے بچتے ہوئے ہاتھ کی کشادگی کس طرح اور کس حد تک اختیار کی جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے دوران اپنے اہل خانہ اور دیگر مسلمانوں پر کثرت سے خرچ کرتے تھے۔ اس انفاق کی ثقافت کو کس طرح رائج کیا جائے۔ خصوصاً ایسے افراد کی امداد جو ہاتھ پھیلانے میں شرم محسوس کرتے ہوں، ان کی ضروریات کو کیسے پورا کیا جائے۔ گھروں میں قرآن کریم کی تعلیمات کو کس طرح رائج کیا جائے اور روایتی طور طریقے جو صدیوں سے گھروں میں رواج پا گئے ہیں کس طرح ان کی جگہ اسلامی اخلاقی ضابطوں کو نافذ کیا جائے۔ یہ پورا مہینہ ان تمام معاملات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ' ' کی بندگی میں آنے کے اعلان کے ساتھ خلوص نیت سے قرآنی تعلیمات کو بتدریج اپنی زندگی میں، اپنے گھر میں اور اپنے معاشرے میں نافذ کرنے کے لیے موثر عملی اقدامات کیے جائیں۔

اپنے روز مرہ کے معاملات اور تعلقات کو اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کا نام ہی توحید ہے۔ جب ایک شخص اپنے آپ کو ان تمام غلامیوں سے نکالتا ہے جو بچپن سے جوانی تک اور جوانی سے بڑھاپے تک غیر محسوس طور پر اس پر اثر انداز ہوتی ہیں، وہ برادری کی روایات ہوں، والدین اور بزرگوں کے سکھائے ہوئے طریقے ہوں یا معاشرے سے اخذ کی ہوئی عادات، جب ایک شخص ان سب کو جانچنے کے لیے توحید کی کسوٹی استعمال کرتا ہے، تو پھر اس کے تعلقات، فکر اور معاش، سیاست، گھر کے فیصلے، سب کی بنیاد صرف اللہ تعالیٰ ' ' کی خوشنودی ہو جاتی ہے۔ یہی روزے کا مقصد ہے کہ انسان میں تقویٰ کی روش پیدا ہو، وہ اپنے قلب، دماغ، جسم خواہشات ہر چیز کو اللہ کی خوش نودی کا تابع بنائے۔ یہی توحیدی ثقافت ہے جو ہر انسانی عمل کو اللہ کی بندگی میں لے آتی ہے۔

احترامِ انسانیت:

ایک اور اہم خصوصیت جو یہ ثقافت ہمارے اندر پیدا کرتی ہے وہ احترام آدمیت اور احترام انسانیت ہے، یعنی روزے کے دوران اس بات کی شدت سے ممانعت ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ سے کسی کو نقصان پہنچے، زبان سے کسی کو تکلیف پہنچے، اس کی گفتگوئوں سے کسی کی دل آزاری ہو۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو اس کا ایسا کرنا اسلامی ثقافت کی روح کے منافی ہوگا۔ گویا احترام انسانیت کے ساتھ وہ طرزِ عمل جو روزہ ہمارے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے یہ ہے کہ ایک مومن نہ کسی سے بلند آواز

سے مخاطب ہو، نہ کسی پر ہاتھ اُٹھائے، نہ کسی کی جان لے، نہ کسی کو تکلیف پہنچائے، بلکہ اس مہینے میں اپنی تربیت اس طرح کرے کہ وہ دوسروں کی جان، مال اور عزت کا محافظ بن سکے۔

احترامِ مال:

ایک اور اہم پہلو جو اس ثقافت کی پہچان ہے وہ یہ ہے کہ افراد کے ساتھ معاملات میں، بالخصوص مالی معاملات میں دیانت داری کو اختیار کیا جائے۔ چناں چہ یہ ثقافت ہمارے اندر مال کے احترام اور حُرمت کا احساس پیدا کرتی ہے کہ اگر سونے کا ڈھیر بھی کسی کے سامنے پڑا ہو تو وہ اس کو ہاتھ بھی نہ لگائے کیونکہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ جو شخص روزے کے دوران سخت پیاس اور بھوک میں بہترین کھانا سامنے ہونے کے باوجود اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھاتا، وہ یہ کیسے کر سکتا ہے کہ عام حالات میں کسی دوسرے کی دولت پر ہاتھ ڈالے۔ گویا اس ثقافت کی ایک بنیاد وہ احترام ہے جو دوسرے کی ملکیت یا مال کے بارے میں یہ ثقافت ہمارے اندر پیدا کرنا چاہتی ہے۔

شعوری عمل:

اس ثقافت کا ایک اور اہم پہلو جو روزہ ہمارے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے سارے معاملات کی بنیاد شعوری عمل ہو، جس میں ایک شخص سوچنے سمجھنے کے بعد یہ طے کرے کہ مجھے کوئی کام کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً ایک شخص اگر معمولی سی فہم بھی رکھتا ہو، تو وہ یہ بات تسلیم نہیں کرے گا کہ اپنی زندگی کو تباہ کرنے کے لیے منشیات کا استعمال کرے، یا شراب کا استعمال کرے جو اس کو اپنا غلام بنالیں۔ یہ رویہ عقل و شعور کا نہیں ہو سکتا۔ روزہ ایسی فضا پیدا کرتا ہے جس میں منشیات کے خلاف جہاد کا جذبہ پیدا ہو جائے اور ایک شخص بجائے منشیات کا غلام بننے کے ایسا عقلی رویہ اختیار کرے جس میں شعوری طور پر یہ دیکھ سکے کہ اس کے لیے کیا چیز مفید ہے اور کیا نقصان دہ ہے۔

رمضان وہ ثقافت پیدا کرتا ہے جس میں محض شعوری رویہ ہی نہیں بلکہ انسانوں کے حوالے سے بھی یہ احساس بیدار ہوتا ہے کہ انسان اپنی فطری ضروریات کو اخلاقی ضابطے میں رہتے ہوئے کس طرح پورا کرے۔ چناں چہ روزہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ روزے کے دوران کن کاموں سے اجتناب کیا جائے، مثلاً جنسی ضرورت کا پورا کرنا۔ اسلامی ثقافت میں جنس بجائے خود ناپسندیدہ چیز نہیں ہے۔ روزے کے دوران جنسی تعلق قائم نہ کرنا تزکیہ اور تربیت کا ایک ذریعہ ہے لیکن روزہ مکمل کرنے کے بعد جائز تعلق قائم کرنا تقویٰ کی علامت ہے۔ قرآن کریم رہبانیت اور مجرد رہنے کی ممانعت کرتا ہے اور ترغیب دیتا ہے کہ اہل ایمان خاندانی زندگی گزاریں۔ رمضان میں جنسی تعلق کے حوالے سے قرآن پاک اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ' ' کو یہ علم تھا کہ اگر اجازت نہ دی گئی تو بعض افراد خیانت کریں گے، اس لیے روزے کے افطار کے بعد سے سحر کے وقت تک ایک شخص کو جائز خواہشات کو پورا کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ گویا اس ثقافت کی بنیاد جائز تعلقات کا احترام ہے۔ روزے کے دوران بعض کاموں سے رُک جانا اور افطار کے بعد انھی کاموں کا مباح ہو جانا یہ پیغام دیتا ہے کہ روزے کی اصل روح اللہ تعالیٰ ' ' کی مقرر کردہ حدود کا احترام ہے۔ یہ حدود جنسی تعلقات سے متعلق ہوں یا غذا اور آرام سے متعلق، ان پر عمل کرنا ہی روزے کو باعث اجر بناتا ہے۔

عالم گیر ثقافت:

رمضان جو ثقافت پیدا کرتا ہے وہ کوئی نمایشی اور مصنوعی ثقافت نہیں ہے، بلکہ ایک عالم گیر ثقافت ہے جس میں تمام انسانوں کے لیے بھلائی، ہدایت اور کامیابی کا راز ہے۔ یہ مہینہ قرآن کے ساتھ قریبی تعلق پیدا کرنے کا مہینہ ہے۔ اس میں ہر صاحب ایمان کتاب کے ساتھ ایک ذاتی اور گہرا تعلق پیدا کرتا ہے۔ وہ زندگی کو مختلف خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ توحید کی اکائی کے تحت زندگی کے تمام کاموں میں یک جہتی، یگانگت اور وحدانیت پیدا کرتا ہے۔

روزہ اس ثقافت کو پیدا کرتا اور پروان چڑھاتا ہے جو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ' ' کی بتائی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں تعمیر اور ترقی کے تمام مواقع فراہم کرتی ہے۔ یہ اُس ثقافت کی مخالفت کرتا ہے جو برقی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مغربی یا ہمسایہ ملکوں کی غیر اخلاقی ثقافت کو ہم تک پہنچاتی ہو۔ یہ ثقافت، علاقائیت، رنگ و نسل، زبان اور جغرافیائی حدود کی غلام نہیں ہے بلکہ آفاقی اور عالم گیر ہے۔ قرآن کریم اپنے بارے میں یہی کہتا ہے کہ وہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے، چناں چہ اس کی ثقافت بھی عالم گیر ثقافت ہے۔ یہ عالمی امن، احترامِ انسانیت اور حقوق انسانی کو بحال کرنے والی ثقافت ہے۔ اس کی پہچان اخلاقی رویہ اور انسانوں کے حقوق کو جیسا ان کا حق ہے ادا کرنا ہے۔ یہ حقوق و فرائض کی واضح تقسیم پر مبنی ثقافت ہے۔

سوال نمبر ۱:۔ اسلامی ثقافت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ پانچ سطروں میں قلمبند کیجیے:

سوال نمبر ۲:۔ رمضان المبارک کے معمولات ایک خاص ترتیب سے تحریر کیجیے:

سوال نمبر ۳:۔ رمضان آتے ہی مسلم معاشرہ میں کیا خوش گوار تبدیلیاں آجاتی ہیں؟

سوال نمبر ۴:۔ رمضان اسلامی ثقافت کا ایک حسین مظہر ہے؟ کیسے، اپنے الفاظ میں جواب دیں۔

سوال نمبر ۵:۔ کیا رمضان فضول خرچی کا مہینہ ہے؟

مشق (۱) گزشتہ سال آپ کا رمضان کیسے گذرا؟ پورے مہینے کی روداد دو صفحے میں تحریر کریں۔

مشق (۲) ایک مذاکرہ بعنوان: آنے والا رمضان ہم کیسے گذاریں گے؟ رکھا جائے اور کلاس کے پانچ طلبہ کو اس کو بولنے کے لیے سات سات منٹ کا وقت دیا جائے۔

مشق (۳) تلاوت کلام اللہ کی اہمیت وفضیلت پر پانچ احادیث تلاش کریں اور اس ماہ کی وال میگزین میں اپنے کلاس کی نمائندگی کرتے ہوئے اس کو شائع کریں۔

سبق نمبر ۱۸

حفیظ جالندھری اور ان کی شاعری

حفیظ جالندھری اردو ادب کے ایک عظیم شاعر، مصنف اور نثر نگار تھے۔ ان کی شاعری میں حب الوطنی، اسلامی تعلیمات، اور اخلاقی اقدار کی جھلک ملتی ہے۔ حفیظ جالندھری کا پورا نام **ابوالاثر حفیظ جالندھری** تھا، اور وہ 14 جنوری 1900 کو جالندھر بھارت میں پیدا ہوئے۔ محمد حفیظ نام، حفیظؔ تخلص اا ور شعروشاعری سے فطری مناسبت تھی۔ نوعمری ہی میں اس طرف متوجہ ہوئے اور شعر کہنے لگے مولانا غلام قادر گرامی سے رشتۂ تلمذ قائم کیا۔

وہ اپنی اسلامی شاعری کے لیے کافی مشہور ہوئے کیوں کہ انہوں نے اپنی شاعری میں اسلامی اقدار و روایات اور تاریخی حقائق کو خوب نمایاں کیا ہے۔ وہ اپنی شاعری کے حوالہ سے اسلامی تاریخ کے عظمت رفتہ کی یادوں کے امین کہے جاتے ہیں۔

زندگی اور تعلیم

حفیظ جالندھری نے اپنی ابتدائی تعلیم جالندھر میں حاصل کی، لیکن وہ رسمی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ اس کے باوجود ان کی غیر رسمی تعلیم کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ انہوں نے اردو فارسی اور عربی ادب کا گہرا مطالعہ کیا اور ان زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ وہ شعری کارنامہ جس نے حفیظؔ کو زندۂ جاوید بنادیا ''شاہنامۂ اسلام'' ہے۔ فارسی میں تو شاہنامۂ فردوسی اور مثنوی مولانا روم جیسی بلند پایہ نظمیں موجود ہیں۔ مقدمۂ شعر و شاعری میں مولانا حالؔی نے اس پر اظہار افسوس کیا ہے کہ اردو میں کوئی بلند پایہ مثنوی موجود نہیں۔ ''شاہنامۂ اسلام'' کی اشاعت سے یہ اعتراض کس حد تک دور ہو گیا ہے۔

حفیظ جالندھری کا سب سے مشہور شعری مجموعہ یقیناً یہی "شاہنامہ اسلام" ہے، جو اسلامی تاریخ اور ثقافت پر مبنی ایک شاہکار نظم ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اسلام کی ابتدا، عظیم فتوحات اور مسلمانوں کی قربانیوں کو منظوم انداز میں پیش کیا ہے، ان کے اس منظوم کلام نے برصغیر ہند و پاک میں ان کی شاعری کا سکہ جمادیا اور وہ عظیم اسلامی شاعر کی حیثیت سے معروف ہوگئے۔

تاریخی واقعات کو نظم کرنا اور خاص طور پر ایسے واقعات کو جن سے مذہب کا تعلق ہو اور جن سے کسی قوم کے جذبات وابستہ ہوں دشوار کام ہے۔ کسی واقعے کے بیان میں اصلیت سے سر مو انحراف ہو تو قارئین کی برہمی کا باعث ہو سکتے ہیں اور انحراف نہ ہو تو دل کشی پیدا نہیں ہوتی۔ حفیظؔ نے اس طویل نظم میں واقعات بے کم وکاست بیان کیے ہیں۔ مگر طرز

نگارش ایسا ہے کہ دل کشی میں کمی نہیں آئی۔ اہل نظر کو اعتراف ہے کہ خشکی اور نثریت اس نظم سے کوسوں دور ہے۔ نظم میں بے شمار ایسے مقام ہیں جن سے قاری کے جوش ایمانی کو تحریک ملتی ہے اور اس کے دل میں ایک ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حفیظؔ نے غزلیں بھی کہیں مگر یہ روایتی انداز کی ہیں اور تاثیر سے تقریباً محروم بعض جگہ شاعر پر قنوطیت غالب آجاتی ہے۔ غم کا جذبہ بہت شدید ہوتا ہے اور پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ مگر یہ غزلیں اس خصوصیت سے بھی محروم ہیں۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ یہ غم ان کا اپنا غم نہیں ہے محض سنی سنائی باتیں ہیں۔

حفیظؔ نے نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ان کی نظموں کے کئی مجموعے شائع ہوئے ہیں مثلاً ''نغمۂ راز'' اور ''سوز و ساز''۔ ان نظموں میں ان کا اسلوب نگارش جاذب نظر ہے۔ نظموں میں انہوں نے نئے تجربے تو نہیں کیے مگر قدیم ہیئتوں کو سلیقے کے ساتھ برتا ہے۔ مترنم بحریں استعمال کیں ہیں، سبک و شیریں الفاظ کا انتخاب کیا ہے اور اپنی نظموں کو سرمایۂ مسرت بنا دیا ہے اور نظم کی دنیا کے وہ معروف ترین شخصیت بن گئے۔

حفیظ جالندھری کی شاعری کے موضوعات

حفیظ جالندھری کی شاعری کے اہم موضوعات درج ذیل ہیں:

1. **اسلامی تعلیمات**: انہوں نے اسلامی اقدار کو شاعری کے ذریعہ فروغ دیا اور مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ یاد دلائی۔
2. **حب الوطنی**: ان کی شاعری میں وطن کی محبت اور قوم کے لیے قربانی کا جذبہ نمایاں ہے۔
3. **رومانویت**: ان کی غزلوں اور نظموں میں حسن و عشق کے موضوعات بھی شامل ہیں۔
4. **جنگِ آزادی**: انہوں نے آزادی کی تحریک کے دوران اپنی شاعری کے ذریعہ عوام میں بیداری پیدا کی۔

وفات

حفیظ جالندھری 21 دسمبر 1982 کو لاہور پاکستان میں وفات پا گئے۔ انہیں مینارِ پاکستان کے قریب دفن کیا گیا، حفیظ جالندھری کا شمار اردو ادب کے ان روشن ستاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ نہ صرف ادب کو فروغ دیا بلکہ قوم کے دلوں میں جذبہ حب الوطنی کو بھی زندہ رکھا۔ ان کی شاعری آج بھی طلبہ اور عوام کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ انہوں نے گیت بھی لکھے اور ایسے گیت لکھے جو تاثیر سے لبریز ہیں۔

حفیظ جالندھری کی شاعری کے مختصر نمونے: شاہنامہ اسلام سے ایک اقتباس

تھا وہ اک باغبانِ ہستی کارازداں — اپنی محنت سے جنّت کے در کھلے یہاں

روشنی دے گیا وہ جہانِ نو کو — ہمیشہ رہے گا وہ نامور یہاں

حب الوطنی پر نظم

وطن کا جو رکھوالا ہو — چمکتا اِک اُجالا ہو

جہاں بھی ہو، رہے اونچا　　　وطن کا نام والا ہو

رومانوی شاعری کا نمونہ

یہ تیری زلف کا سایہ، یہ تیری یاد کا دامن　　　ہمیشہ دل کی دنیا میں بہاروں کا سماں ہے

اسلامی تعلیمات پر شعر

خُدا کی راہ پہ چلنے کا حوصلہ پیدا کر　　　یہ زندگی تو امانت ہے، ضائع نہ کر

ارادے باندھتا ہوں سوچتا ہوں توڑ دیتا ہوں　　　کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو جائے

حفیظ جالندھری کی شاعری کی کچھ مزید حسین نمونے ملاحظہ کریں:

دوستوں کو بھی ملے درد کی دولت یارب　　　میرا اپنا ہی بھلا ہو مجھے منظور نہیں

کوئی چارہ نہیں دعا کے سوا　　　کوئی سنتا نہیں خدا کے سوا

حفیظ جالندھری نے غزل کے عمدہ اشعار بھی کہے ہیں:

ہم ہی میں تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آسکے　　　تم نے ہمیں بھلا دیا ہم نہ تمہیں بھلا سکے

کیوں ہجر کے شکوے کرتا ہے کیوں درد کے رونے روتا ہے

اب عشق کیا تو صبر بھی کر اس میں تو یہی کچھ ہوتا ہے

یہ ملاقات ملاقات نہیں ہوتی ہے　　　بات ہوتی ہے مگر بات نہیں ہوتی ہے

او دل توڑ کے جانے والے دل کی بات بتاتا جا　　　اب میں دل کو کیا سمجھاؤں مجھ کو بھی سمجھاتا جا

حفیظ کی شاعری میں کافی تنوع پایا جاتا تھا کچھ نئے نمونے ملاحظہ کریں:

دیکھا جو کھا کے تیر کمیں گاہ کی طرف　　　اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

حفیظؔ اپنی بولی محبت کی بولی　　　نہ اردو نہ ہندی نہ ہندوستانی

دل لگاؤ تو لگاؤ دل سے دل　　　دل لگی ہی دل لگی اچھی نہیں

کس منہ سے کہہ رہے ہو ہمیں کچھ غرض نہیں　　　کس منہ سے تم نے وعدہ کیا تھا نباہ کا

الٰہی ایک غم روزگار کیا کم تھا　　　کہ عشق بھیج دیا جان مبتلا کے لیے

بے تعلق زندگی اچھی نہیں　　　زندگی کیا موت بھی اچھی نہیں

دل کو خدا کی یاد تلے بھی دبا چکا　　　کم بخت پھر بھی چین نہ پائے تو کیا کروں

مشقیں:۔

سوال نمبر ا:۔ حفیظ جالندھری کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ ان کی تاریخ وفات بھی لکھیں۔

سوال نمبر ۲:۔ ان کی شاعری کس بات کے لیے سب سے زیادہ مشہور ہے؟

سوال نمبر ۳:۔ ان کی اسلامی شاعری کے کچھ منتخب اشعار لکھیں۔

سوال نمبر ۴:۔ حفیظ جالندھری نے کن کن موضوعات پر شاعری کی ہے؟ ہر ایک موضوع سے متعلق چند اشعار لکھیں۔

اجتماعی کام:۔ گروپ کی شکل میں اپنی لائبریری میں موجود شعراء کی کتابیں ڈھونڈ کر ان کی شاعری کی اقسام درج کریں اور ہر قسم سے متعلق چند اشعار لکھیں۔

عملی مشق:۔ اپنے ادارے پر ایک مختصر نظم لکھیں اور اپنے استاد کی مدد سے اس کی تصحیح کروائیں۔

ذاتی مشغلہ:۔ ایک مخصوص نوٹ بک تیار کریں جس میں بہت سے اسلامی اور دیگر شعراء کے اشعار جمع کریں، یاد رہے یہ اشعار اپنی ڈائری میں الگ الگ موضوعات کے بھی ہوں، ابجدی کی ترتیب سے ترتیب وار بھی ہوں اور شعراء کے انتخاب میں بھی مختلف فکر و خیال کے شعراء کی فہرست ہو۔

سبق نمبر۱۹

حضرت سعید بن جبیرؓ اور حجاج کی گفتگو

حضرت سعید بن جبیرؒ مشہور تابعی گذرے ہیں۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج بن یوسف کے حکم پر ان کو قتل کیا گیا تھا۔ قتل کیے جانے سے قبل انہوں نے حجاج بن یوسف سے جو گفتگو کی تھی، وہ ایک مشہور تاریخی مکالمہ ہے ۔ذیل میں اسے پیش کیا جارہا ہے۔

حجاج: تیرا نام کیا ہے؟

سعید: میرا نام سعید ہے۔

حجاج: کس کا بیٹا ہے؟

سعید: جبیر کا بیٹا ہوں

حجاج: نہیں تو شقی بن کسیر ہے۔

سعید: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج: تو بھی بدبخت اور تیری ماں بھی بدبخت۔

سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ کوئی اور ہے۔

حجاج: اب میں تجھے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں۔

سعید: تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا۔ میں واقعی سعید ہوں۔

حجاج: اب دیکھ ! میں تجھ کو زندگی کے بدلہ کیسے جہنم رسید کرتا ہوں۔

سعید: اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود نہ بنالیتا۔

حجاج: نبی اکرم ﷺ کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے؟

سعید: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے جو بہترین نصیحت کے ساتھ پوری دنیا والوں کی طرف بھیجے گئے۔

حجاج: خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے؟

سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں۔ ہر شخص اپنے کیے کا ذمہ دار ہے۔

حجاج: میں ان کو برا کہتا ہوں یا اچھا؟

سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے۔

حجاج: ان میں سے سب سے پسندیدہ ترے نزدیک کون ہے؟

سعید: جو سب سے زیادہ اپنے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔

حجاج: اللہ کو سب سے زیادہ راضی رکھنے ولا کون تھا؟

سعید: اس کو وہی جانتا ہے جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔

حجاج: حضرت علیؓ جنت میں ہے یا دوزخ میں ؟

سعید: اگر میں جنت اور جہنم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں تو بتا سکتا ہوں۔

حجاج: میں قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا؟

سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع کیا جاؤں۔

حجاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا؟

سعید: میں نے جھوٹ بھی نہیں کہا۔

حجاج: تو کبھی ہنستا کیوں نہیں؟

سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسنے جو مٹی سے بنا ہو اور قیامت میں اس کو جانا ہو اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔

حجاج: میں تو ہنستا ہوں۔

سعید: اللہ نے ایسے ہی الگ الگ طبیعتوں والا ہم انسانوں کو بنایا ہے۔

حجاج: میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔

سعید: میری موت کا سبب پیدا کرنے والا تو اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔

حجاج: میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔

سعید: اللہ پر کوئی بھی جرات نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کرے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔

حجاج: میں کیوں جرات نہیں کر سکتا حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تو باغیوں کی جماعت کے ساتھ ہے۔

سعید: میں جماعت سے علاحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں ہے، اس کو کوئی ٹال بھی نہیں سکتا۔

حجاج: ہم جو کچھ امیر المومنین کے لیے جمع کرتے ہیں؟ اس کو تو کیسا سمجھتا ہے۔

سعید: میں نہیں جانتا کہ تو نے کیا جمع کیا۔

حجاج: میں نے سونا چاندی کے کپڑے وغیرہ منگوا کر ان کے سامنے رکھ دئے۔

سعید: یہ اچھی چیزیں ہیں اگر اپنی شرط کے موافق ہوں۔

حجاج: شرط کیا ہے۔

سعید: یہ کہ تو ان سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن امن پید کرنے والی ہوں۔ ورنہ ہر دودھ پلانے والی دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔

حجاج: ہم نے جو جمع کیا ہے، اچھی چیز نہیں؟

سعید: تو نے کیا جمع کیا تو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔

حجاج: کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے؟

سعید: صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اللہ پسند کرے۔

حجاج: تیرے لیے ہلاکت ہو۔

سعید: ہلاکت اس شخص کے لیے ہے جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دیا جائے۔

حجاج (دق ہو کر): بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں۔

سعید: جس طرح سے قتل ہونا تجھے اپنے لیے پسند ہو۔

حجاج: کیا تجھے معاف کر دوں۔

سعید: معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے۔ تیرا معاف کرنا کوئی چیز نہیں۔

حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ سعید باہر لائے گئے تو ہنس پڑے۔ حجاج کو اس کی اطلاع دی گئی۔ ان کو پھر بلایا گیا اور پوچھا۔

حجاج: تو کیوں ہنسا؟

سعید: اللہ پر تیری جرات اور اللہ تعالیٰ ' کا تجھ پر حلم دیکھ کر۔

حجاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کی۔ پھر جلاد سے خطاب کر کے کہا۔ میرے سامنے اس کی گردن اڑاؤ۔

سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ نماز پڑھی قبلہ رخ ہو کر اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیْ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَلاَرْضِ حَنِیْفًاوَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ پڑھا یعنی ”میں نے منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان زمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر ادھر متوجہ ہوا اور نہیں ہوں مشرکین میں سے“

حجاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو۔ انہوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا چناں چہ فوراً پھیر دیا گیا۔

سعید: فاینما تو لوا فثم وجہ اللہ الکافی بالسر آئر۔ جدھر تم منہ پھیر و ادھر بھی خدا ہے و بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

حجاج: اوندھا ڈال دو (یعنی زمین کی طرف منہ کر دو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

سعید: مِنْهَا خَلَقْنَا کُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُ کُمْ وَمِنْہَا نُخْرِجُ کُمْ تَارَۃً اُخْرٰی''۔ہم نے زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ اٹھائیں گے"۔

حجاج: اس کو قتل کر دو۔

سعید: میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمد عبدہ ورسولہ۔ تو اس کو محفوظ رکھنا۔ جب میں تجھ سے قیامت کے دن ملوں گا تو لے لوں گا۔ اس کے بعد وہ شہید کر دیئے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون بہت زیادہ نکلا جس سے حجاج کو بھی بڑی حیرت ہوئی۔ اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ ان کا دل نہایت مطمئن تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا۔ اس لیے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا، بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے ان کا خون پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے۔

....

(دوسرا مکالمہ : حامد اور ان کی امی کے درمیان)

حامد: امی کل دادا کہہ رہے تھے، میں نے معراج سے اچھا کسی کا گھر نہیں دیکھا۔ کیا ان کا گھر بہت اچھا اور خوب صورت بنا ہے؟ ہمارے گھر سے بھی اچھا؟

امی: (مسکراتے ہوے) میں نے تو دو ماہ پہلے معراج بھائی کا گھر دیکھا ہے۔ چھوٹے چھوٹے تین کمرے، ایک برآمدہ، ایک بیت الخلاء اور ایک غسل خانہ، کچھ خاص تو نہیں ہے۔ تم نے شاید دادا کی پوری بات نہیں سنی۔

حامد: دادا فاتح چچا سے بات کر رہے تھے۔ مجھے یاد ہے معراج چچا کے گھر کی بات ہو رہی تھی۔ ان کے بھائی سراج چچا کے بچوں کی بھی بات چل رہی تھی۔ اسی دوران دادا نے یہ بات کہی کہ معراج کا گھر بہترین گھر ہے۔

امی: اب میں سمجھ گئی۔ تم کو علم نہیں، سراج بھائی کا انتقال دس سال پہلے ہو چکا ہے۔ اس وقت تو تم صرف دو سال کے تھے۔ سراج بھائی کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ان کے بچوں کی پرورش معراج بھائی نے کی اور صحیح بات یہ ہے کہ پرورش کا حق ادا کر دیا۔

حامد: میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔ پرورش کس طرح سے کی؟

امی: بیٹا کیا بتاؤں، وہاں جاؤ تو طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ معراج نے بھتیجوں کو اپنے بچوں سے بڑھ کر محبت دی۔ انھیں اچھی تعلیم دلائی۔ کبھی کسی طرح کی کوئی کمی نہ ہونے دی۔ تین بچوں کی بہت اچھی شادیاں کیں۔ سراج کے بچے بھی چچا کو دل وجان سے چاہتے ہیں۔ سراج اور معراج کے بچے اس طرح مل جل کر رہتے ہیں جیسے سگے بھائی بہن ہوں۔

معراج نے سراج کی ایک بیٹی کو اپنی بہو بھی بنالیا ہے۔

حامد:	امی، میں بہت دنوں تک تو ان سب کو حقیقی بھائی بہن ہی سمجھتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ چچازاد ہیں۔ مگر امی، دادا تو ان کے گھر کے اچھے ہونے کی تعریف کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے سب سے اچھا گھر معراج کا گھر ہے۔

امی:	تم پوری بات سمجھ نہیں سکے۔ ان کا گھر تو ہمارے گھر جیسا ہی ہے۔ دادا تو اُس گھر کے ماحول کی تعریف کر رہے تھے. ہو سکتا ہے اُن کا اشارہ پیارے نبی ﷺ کی اس حدیث کی طرف رہا ہو جس میں پیارے نبی ﷺ نے ایسے گھر کو سب سے بہتر گھر کہا ہے؟

حامد:	کیا پیارے نبی ﷺ نے معراج چچا کے گھر کو سب سے بہتر کہا ہے؟

امی:	اوہ، تم تو بہت سادہ ہو۔ اب میں تمہیں ایک حدیث سناتی ہوں، غور سے سنو، شاید تم پوری بات سمجھ جاؤ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ، بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ، وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ، بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ. حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے بھلا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو اور مسلمانوں میں سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ بد سلوکی کی جاتی ہو۔

چوں کہ معراج چچا کے گھر یتیموں کے ساتھ بہت اچھا سلوک ہوتا ہے، اس لیے دادا نے ان کے گھر کو سب سے بہتر گھر کہا ہوگا۔

حامد:	آپ نے بالکل صحیح کہا، دادا معراج چچا کی بہت تعریف بھی کر رہے تھے۔

امی!	پیارے نبی ﷺ نے اس گھر کو تو بہت برا گھر کہا ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ ہوتا ہو۔ کیا ہمارے سماج میں ایسے بھی گھر ہیں؟

امی:	کیوں نہیں! فلاں سیٹھ صاحب کو دیکھو۔ ان کے بہنوئی کا انتقال ہو گیا۔ بہن اور دو بھانجیاں ان کے گھر آ گئے۔ ان کے گھر جاؤ تو ایسے لگتا ہے کہ تین نوکرانیاں ہیں۔ گھر کے تمام کام ان کی بہن زوبیہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ہی کرتی ہیں۔ سیٹھ صاحب کی بیوی زہیرہ تو بڑی حرافہ ہے۔ بات بات پر انھیں ڈانٹتی ڈپتی رہتی ہے۔ انھیں منحوس کہتی ہے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر ترس آتا ہے۔ اللہ کسی کو یہ دن نہ دکھائے۔

حامد:	کسی دن آپ سیٹھ چچا کے گھر جائیے تو انھیں پیارے نبی ﷺ کی یہ حدیث سنائیے اور انھیں بتائیے کہ پیارے نبی ﷺ نے آپ کے گھر کو سب سے برا گھر کہا ہے۔ شاید انھیں عقل آ جائے۔

امی:	اللہ نے ان کی مت ماری ہے۔ کیا وہ عقل نہیں رکھتے؟

اچھا بتاؤ۔ تمہیں اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ معراج چچا کے گھر کی دادا نے کیوں تعریف کی تھی؟

حامد:	بالکل امی، اب میں سمجھ گیا کہ معراج چچا کا گھر کیوں بہت اچھا گھر ہے۔ اللہ کرے ہر گھر میں یتیموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ جزاک اللہ خیراً

مشق اور سوالات:

سوال نمبر ۱:۔ حجاج بن یوسف کون تھا؟

سوال نمبر ۲:۔ سعید بن جبیرؒ کون تھے؟

سوال نمبر ۳:۔ پہلے مکالمہ کی دو خوبیاں لکھیں۔

سوال نمبر ۴:۔ دوسرے مکالمہ میں کون سی حدیث بیان کی گئی ہے؟

سوال نمبر ۵:۔ معراج کا گھر کیوں بہت اچھا ہے؟

مشق:

(۱) کلاس کے دو طالب علم والدین کی خدمت کی اہمیت وفضیلت پر مکالمہ پیش کیجیے جو زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ کا ہو۔

(۲) مکالمہ کی مدد سے مسلم غیر مسلم دوستی اور انسانی مساوات کو پیش کیجیے جس میں اسلام کی دعوت پیش کی گئی۔

سبق نمبر ۲۰

بیٹی کا خط باپ کے نام

۲۵ منگسیر ۲۰۸۱ بکرمی

میرے مشفق و محترم پیارے ابو جان !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، پیاری امی جان بخیر ہوں گی اور گھر کے تمام لوگ بھی بخیر ہوں گے۔

پیارے ابو جان ! اس مدرسہ میں داخلہ لیے ہوئے سات ماہ ہو چکے ہیں۔ الحمدللہ میری صحت بہتر ہے اور پوری دل جمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہوں۔ ہمارے درجہ میں کل ۳۲ بچیاں ہیں۔ بہت خوش گوار علمی و دینی ماحول ہے۔ داخلہ سے پہلے کافی تشویش تھی اور دل میں عجیب و غریب اندیشے پیدا ہو رہے تھے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اپنے گمان سے کہیں بہتر میں نے اس مدرسہ کو پایا ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے یہاں داخلہ لینے کے لیے اصرار پر اصرار کیا اور ہمیں ذہنی طور پور آمادہ کیا۔

اس مدرسہ میں ایک بہترین لائبریری ہے جو ہر قسم کی کتابوں سے مالامال ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے تاریخی کتابیں پڑھنے کا بڑا شوق ہے۔ اس کے لیے میں بہت پریشان رہا کرتی تھی لیکن مجھے معیاری کتابیں دستیاب نہ تھیں۔ یہاں الحمدللہ اچھی اور معیاری کتابیں مجھے میسر آگئی ہیں۔ شاہ معین الدین احمد ندوی کی کتاب تاریخ اسلام جلد اول کا مطالعہ مکمل کر چکی ہوں۔ ابھی کل سیرت النبی ﷺ پر ایک مشہور کتاب محمد عربی جاری کرایا ہے، آج شام سے اس کا مطالعہ کروں گی۔ اس بار آپ جب گھر سے آئیں تو میرے لیے الرحیق المختوم کا نیا ایڈیشن لے کر آئیں جو گزشتہ سال مجھے مسابقہ سیرت النبی ﷺ میں انعام ملا تھا۔ دادا کے روم میں جو الماری ہے، اس کے اوپر ایک پلاسٹک جھولے میں رکھا ہوا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ دسویں پاس کرنے سے پہلے میں عہد نبوی کی تاریخ کا مکمل مطالعہ کرلوں۔ ہمارے استاد کا کہنا ہے کہ اس کے لیے آپ کو کم از کم دو کتابیں پڑھنی ہوں گی۔ ایک محمد عربی اور دوسری کتاب الرحیق المختوم۔

پیارے ابو جان ! آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ یہاں ششماہی امتحان کے رزلٹ میں میری پہلی پوزیشن آئی ہے۔ ہمارے سارے معلّمین و معلمات مجھ سے بہت خوش ہیں اور مبارک باد دے رہے ہیں اور ہمارے سارے کلاس ساتھی بار بار پوچھتے ہیں کہ آپ کس مدرسہ سے پڑھ کر آئی ہیں اور آپ کے ابو جان کا نام کیا ہے؟ مجھے خوشی ہے کہ میں نے پورے مدرسہ میں آپ کا نام روشن کر دیا ہے۔

امی جان کو بتادیں کہ میں بہت خوش ہوں۔ وہ پریشان تھیں کہ میری بٹیا وہاں ہاسٹل میں کیسے رہے گی؟ نہ جانے وہاں کھانے میں کیا ملے گا؟ نہ جانے ماحول کیسا ہوگا؟ الحمدللہ یہاں سب ٹھیک ہے۔ ہاسٹل میں بڑی صفائی ستھرائی ہے، نمازوں کا اچھا ماحول ہے، اساتذہ حسب موقع اسلامی آداب اور اسلامی ثقافت کے بارے میں قیمتی خطاب کرتے ہیں۔ روزانہ فجر کی نماز کے بعد ہیڈ باجی مختصر درس قرآن پیش کرتی ہیں۔ دو تین آیتوں کا ترجمہ، ان کی تشریح اور ان میں موجود پیغام کو عصری معنویت کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ وہ بہت ہی فصیح اردو میں درس پیش کرتی ہیں۔ جس سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، دین اور شریعت کے سلسلہ میں جان کاری حاصل ہوتی اور ہمارے ایمان میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔

ہیڈ باجی بہت بااخلاق ہیں، وہ ہمیشہ ہماری عادات اور سلوک کو بہتر بنانے کے لیے فکر مند رہتی ہیں۔ وہ کبھی کبھار عشاء کی نماز کے بعد بھی قیمتی پند و نصائح سے نوازتی ہیں۔

دعا کریں کہ اللہ رب العزت ہمیں زیادہ سے زیادہ محنت کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی توفیق دے، ہمیں صحت و عافیت سے نوازے۔ میری بھی دعا ہے کہ امی جان اور ابو جان کو اللہ خوش رکھے۔ دادا دادی، بھائیوں اور بہنوں نیز جملہ اہل خانہ کو اللہ خوش رکھے، صحت و تندرستی سے نوازے اور ہمارے پورے گھر کا اقبال بلند فرمائے۔ آمین ثم آمین !

والسلام
آپ کی پیاری بیٹی
فاطمہ خاتون درجہ نہم

سبق نمبر ۲۱

اردو ہے میرا نام

(۱) اقبال اشعرؔ کی مشہور نظم:

اردو ہے میرا نام میں "خسرو" کی پہیلی
میں "میر" کی ہمراز ہوں "غالب" کی سہیلی

دکّن کے ولی نے مجھے گودی میں کھلایا
"سودا" کے قصیدوں نے میرا حسن بڑھایا
ہے "میر" کی عظمت کہ مجھے چلنا سکھایا

میں "داغ" کے آنگن میں کھلی بن کے چمیلی
اردو ہے میرا نام میں "خسرو" کی پہیلی

"غالب" نے بلندی کا سفر مجھ کو سکھایا
"حالی" نے مروّت کا سبق یاد دلایا
"اقبال" نے آئینہ حق مجھ کو دکھایا

"مومن" نے سجائی میرے خوابوں کی حویلی
اردو ہے میرا نام میں "خسرو" کی پہیلی

ہے "ذوق" کی عظمت کہ دیئے مجھ کو سہارے
"چکبست" کی الفت نے میرے خواب سنوارے
"فانی" نے سجائے میری پلکوں پہ ستارے

"اکبر" نے رچائی میری بے رنگ ہتھیلی
اردو ہے میرا نام میں "خسرو" کی پہیلی

کیوں مجھ کو بناتے ہو تعصب کا نشانہ
میں نے تو کبھی خود کو مسلماں نہیں مانا
دیکھا تھا کبھی میں نے بھی خوشیوں کا زمانہ

اپنے ہی وطن میں میں ہوں مگر آج اکیلی
اردو ہے میرا نام میں "خسرو" کی پہیلی

(۲) حکیم مومن خان مومنؔ کی غزل:

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشاروں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بہ دم
گلۂ ملامت اقربا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمہارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا

سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی مرے دل سے صاف اتر گئی

تو کہا کہ جانے مری بلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا

وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا

میں وہی ہوں مومنؔ مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(۳) انشاء اللہ خان انشاؔ

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دُھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

بسانے نقش پائے رہرواں کوئے تمنّا میں
نہیں اٹھنے کی طاقت ، کیا کریں، لاچار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

کہاں صبر و تحمل ،آہ ننگ و نام کیا شے ہے
یہاں رو پیٹ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

مشق اور سوالات :

سوال نمبر۱:۔ درج ذیل الفاظ کے معانی لکھیے :

ہمراز مروت بیشتر حکایتیں ہرآن اٹھکھیلیاں میخوار گردش فلک نجیبوں

سوال نمبر ۲:۔ اقبال اشعر نے اپنی نظم میں اردو کا حسن بیان کیا ہے، اسے اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

سوال نمبر ۳:۔ مومن نے اپنے محبوب کی جو تعریف کی ،اسے آپ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

سوال نمبر ۴:۔ درج ذیل الفاظ کے اضداد لکھیں:

قرار آشنا وصل باوفا بیزار افتادگی غنیمت

سوال نمر ۵:۔ انشاء اللہ خان نے دنیا کی زندگی کو کیا سمجھا ہے؟ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

سبق نمبر ۲۲

اردو گیت

اردو شاعری کا بیش تر سرمایہ فارسی اور عربی سے حاصل ہوا ہے مگر گیت اردو میں ہندی شاعری کے اثر سے وجود میں آیا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ گیت خالص ہندوستانی صنف سخن ہے۔ گیت ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی راگ، سرود اور نغمہ کے ہیں۔ گیت کسی خاص موضوع یا ہیئت کے پابند نہیں ہاں مگر گیت میں محبوب مرد اور عاشق عورت ہوتی ہے۔ جس میں عاشق یعنی عورت اپنے محبوب یعنی مرد سے جذبۂ محبت، نغمگی، نسوانیت، غنائیت اور ترنم ریزی کے ساتھ اپنے والہانا انداز میں اپنے عشق کا اظہار کرتی ہے۔ عشق، بھگتی، عبادت، محبت، رزم، بزم غرض وہ ہر شے جو انسانی احساس کا حصہ ہے گیت میں ان کا اظہار ہوتا ہے۔

گیت اپنے منفرد تہذیبی ورثے کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے جس میں محبت اور نغمے کی آمیزش سے پیدا ہونے والی نہایت لطیف و دل کش روایت شامل ہے۔ چونکہ گیت کا موسیقی سے گہرا ربط ہے، ترنم اور لے اور جھنکار اور تھاپ وغیرہ اس کے گائے جانے میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گیت پڑھنے سے زیادہ سننے کی چیز ہے۔ جو موسیقی کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ گیت کے متعلق شمیم احمد لکھتے ہیں :

''گیت شاعری کا وہ اسلوب ہے جہاں محبت اور نغمے کا سنگم پوری لطافت کے ساتھ ہوتا ہے'' (۲)

گیت کی کوئی خاص ہیئت نہ ہونے کی وجہ سے یہ کسی بھی ہیئت میں لکھا جا سکتا ہے۔ ویسے عموماً گیت کا مکھڑا ہوتا ہے جو دراصل گیت کا پہلا شعر یا پہلا مصرع ہوتا ہے۔ اس کے بعد گیت کے کچھ بند ہوتے ہیں جن کی تعداد عموماً چار یا پانچ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہر بند کے بعد گیت کے مکھڑے کا ہم قافیہ ایک مصرع نہیں ہوتا بلکہ اس کی جگہ مکھڑے ہی کو دوہرایا جاتا ہے۔ کہیں کہیں تو یوں بھی ہوتا ہے کہ ہر بند کے بعد مکھڑے کا ہم قافیہ مصرع نہیں ہوتا بلکہ اس کی جگہ مکھڑا ہی کو دوہرایا جاتا ہے۔ گیت کسی بھی بحر میں لکھا جا سکتا ہے لیکن عموماً چھوٹی بحریں ہی استعمال کی جاتی ہیں۔ کبھی کبھی گیت کا مکھڑا ایک بحر میں اور بول مختلف بحر میں ہوتے ہیں۔ گیت کے تمام بند خیال یا مضمون کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ اس لیے بھی کہ پورے گیت میں ایک ہی خیال کو پیش کیا جاتا ہے۔ غرض یہ کی گیت کی ہیئت میں بڑی لچک ہوتی ہے۔ گیت کی ہیئت کے متعلق سب سے اہم بات یہ ہے کہ گیت کا مکھڑا (جو کسی بھی صورت حال میں ہو سکتا ہے۔ مصرعہ آدھا مصرعے یا شعر) وہ گیت کے ہر بند کے بعد دوہرایا جا سکتا ہے۔

غزل کی طرح گیت بھی شاعری کی ایک داخلی اور غنائی صنف ہونے کی وجہ سے شخصی جذبات و احساسات کا بے تکلف اور والہانا اظہار ہوتا ہے۔ گیت میں محبوب سے جدائی کی تڑپ اور وصال کی آرزومندی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ ان معنوں میں گیت ایک فراق زدہ عورت کے دل کی صدائے پُر سوز ہے۔ چونکہ گیت اور سنگیت کا چولی دامن کا رشتہ ہوتا ہے اس لئے سازوں کی آمیزش گیت کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہے۔

اردو میں گیت کی روایت امیر خسرو کے عہد سے مانی جاتی ہے۔ امیر خسرو نے راگ راگنیوں کے ساتھ گیت کو پروان چڑھانے کے لئے راگوں کو ایجاد بھی کیا۔ امیر خسرو کے عہد سے تا حال اردو میں جو گیت لکھے گئے اس کا خاص موضوع عشق ہے۔ جدائی غم، اور ملن کی خوشی سے ہمارے گیت بھرے پڑے ہیں۔

امیر خسرو کی مشہور غزل ”زحالِ مسکین مکن تغافل“ میں جو مصرعے یا مصرعوں کے ٹکڑے ہندوستانی زبان میں ہیں۔ انھیں ہم گیت کے اولین نقوش کہہ سکتے ہیں۔ ان مصرعوں میں عورت کی طرف سے محبت کا اظہار ہوتا ہے اور فراق کی کیفیت بیان ہوتی ہے جو گیت کی خصوصیت ہے۔

آج بھی اردو گیت نے اپنی اہمیت برقرار رکھی ہے۔ نئی نسل اردو گیت کو نئے رنگ و معنوں سے آراستہ کر رہی ہے۔ ان کے سانحات اور موضوعات میں تنوع اور رسائی اردو گیت کی اہمیت کو باقی رکھے گی۔

اردو گیت اور اردو نظم دونوں ادب کی اہم اصناف ہیں، لیکن ان دونوں کے درمیان کئی بنیادی فرق موجود ہیں۔ یہ فرق موضوع، انداز، ساخت اور مقصد کے لحاظ سے واضح کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ مقصد اور موضوع

- **گیت**: گیت عموماً موسیقی کے لیے لکھا جاتا ہے اور اس کا بنیادی مقصد سامعین کو محظوظ کرنا یا جذباتی طور پر متاثر کرنا ہوتا ہے۔ گیت کے موضوعات رومانویت، محبت، خوشی، یا درد جیسے جذباتی پہلوؤں پر مشتمل ہوتے ہیں۔
- **نظم**: نظم زیادہ فکری اور سنجیدہ ہوتی ہے۔ یہ کسی بھی موضوع پر ہو سکتی ہے، جیسے سماجی مسائل، فلسفہ، سیاست، یا ذاتی تجربات۔ نظم کا مقصد گہرے خیالات یا احساسات کو بیان کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ ساخت اور انداز

- **گیت**: گیت کی ساخت سادہ، مترنم اور موسیقی کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ اس میں اشعار کی ترتیب ایسی ہوتی ہے کہ اسے گایا جا سکے۔ گیت میں قافیہ، ردھم، اور روانی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

- **نظم**: نظم کی ساخت زیادہ آزاد ہوتی ہے اور یہ مختلف طرزوں (آزاد نظم، معریٰ نظم، غزل نما نظم) میں لکھی جا سکتی ہے۔ اس میں موسیقیت ضروری نہیں ہوتی، بلکہ الفاظ کے ذریعے معنویت اور گہرائی پیدا کی جاتی ہے۔

۴۔الفاظ کا انتخاب

- **گیت**: گیت میں الفاظ آسان، مترنم اور دل کو بھانے والے ہوتے ہیں تاکہ سامعین فوری طور پر اس سے جڑ سکیں۔
- **نظم**: نظم میں الفاظ پیچیدہ، گہرے اور فکری ہوتے ہیں تاکہ قارئین پر اس کے معنی اور پیغام کا اثر ہو۔

۵۔ مثالیں

- **گیت**: "چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم" (شاعری جو گیت کی شکل میں مشہور ہو)۔
- **نظم**: فیض احمد فیض کی "یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر" (سنجیدہ اور فکری نظم)۔

یہ فرق گیت اور نظم کو الگ الگ اصناف کے طور پر پہچان دیتا ہے، لیکن دونوں اپنی جگہ پر ادب اور جذبات کی خوب صورتی کا اظہار کرتے ہیں۔

فیض احمد فیضؔ کی مشہور گیت "چلو پھر سے مسکرائیں ہم" ان کے تخلیقی شاہکاروں میں سے ایک ہے۔ یہ گیت انہوں نے 1979 میں لکھی تھی اور یہ ایک خوب صورت اور پُر امید پیغام دیتا ہے۔ مکمل کلام درج ذیل ہے: :

چلو پھر سے مسکرائیں ہم
گلابی روشنیوں کے دلکش خواب سجائیں ہم

وہ گلیاں وہ مکان اپنی
وہ چہرے اپنی پہچان اپنی
جو بچ گئے ہیں وفا کے قاتل
انہیں گواہی میں لائیں ہم

چلو پھر سے مسکرائیں ہم
گلابی روشنیوں کے دلکش خواب سجائیں ہم

جو روز و شب کی صلیب کاٹے
وہ خوشبوئیں دل کے زخم چاٹے
یہ وعدے پھر سے نکھار لائیں
یہ عہد پھر سے نبھائیں ہم

چلو پھر سے مسکرائیں ہم
گلابی روشنیوں کے دلکش خواب سجائیں ہم

سبق نمبر ۲۳

بعض اردو قواعد

بحر کی تعریف: بحر شاعری کے وہ پیمانے یا وزن ہیں جن پر اشعار کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ یہ عروض کی اصطلاح ہے، اور ہر شعر ایک مخصوص بحر میں ہوتا ہے۔ بحر کی بنیاد شعری وزن (ارکان) پر ہوتی ہے، جیسے بحرِ ہزج، بحرِ رمل، بحرِ کامل وغیرہ۔

ردیف کی تعریف: ردیف وہ الفاظ یا جملہ ہے جو ہر مصرعے کے آخر میں یکساں طور پر دہرایا جاتا ہے۔ مثلاً: ہمیں اپنے دل کا سکون چاہیے یہی چیز دنیا میں کون چاہیے

یہاں "چاہیے" ردیف ہے۔

قافیہ کی تعریف: قافیہ وہ الفاظ ہیں جو ردیف سے پہلے آتے ہیں اور ان میں صوتی ہم آہنگی ہوتی ہے۔ مثلاً: دل، گل، پل، جل یہ سب قافیہ کے الفاظ ہیں۔

قطعہ کی تعریف: قطعہ شاعری کی ایک صنف ہے جو عموماً چار اشعار پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں پہلا اور دوسرا مصرع ہم قافیہ ہو سکتا ہے یا نہیں، لیکن تیسرے اور چوتھے مصرع کا قافیہ ضرور یکساں ہوتا ہے۔ قطعہ اکثر کسی خاص موضوع یا نصیحت پر مبنی ہوتا ہے۔

مثال: پھولوں کی طرح مسکرانا سیکھو کانٹوں سے الجھنا چھوڑ دو

زندگی کے سفر کو آسان کرو دکھوں کا سہارا لینا چھوڑ دو

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں اردو شعراء نے ہندی عروض (پنگل) سے متاثر ہو کر نئی بحریں وضع کی جو لطافت و تاثر سے خالی نہیں۔ ان شعراء میں عظمت اللہ خان کا نام خصوصاً قابلِ ذکر ہے۔

ردیف کی تعریف: **ردیف** کے لغوی معنی ہیں گھوڑ سوار کے پیچھے بیٹھنے والا۔ شعری اصطلاح میں ردیف سے مراد وہ لفظ یا الفاظ کا مجموعہ ہے جو قافیے کے بعد مکرر آئیں اور بالکل یکساں ہوں۔ ردیف کا ہر مصرعے میں ہونا لازمی نہیں ہے۔ عام طور پر یہ غزل کے اشعار میں مصرعۂ ثانی میں دہرائے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر :

جذبہ شوق کدھر کو لیے جاتا ہے مجھے
پردائے راز سے کیا تم نے پکارا ہے مجھے

اس شعر میں الفاظ " ہے مجھے " ردیف ہے کیونکہ یہ قافیہ کے بعد دہرایا جارہے ہیں اور تبدیل نہیں ہو رہے ا۔ جاتا اور پکارا قافیے ہیں اور ان میں آخری اصلی حرف الف حرفِ روی ہے۔
ایک اور مثال پیش ہے:

" نقشِ فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا "

اس شعر میں لفظ "کا" ردیف ہے۔اور تحریر اور تصویر قافیے ہیں۔

بلاغت کی تعریف: **بلاغت** کی تعریف یوں کی گئ ہے کہ ایسا کلام جس میں مخاطب کے سامنے وہی نکات بیان کیے جائیں جو اسے پسند ہوں۔ جو اس کو ناگوار محسوس ہوتے ہوں ان کو حذف کر دیا گیا ہو۔ زیادہ اہم باتوں کو پہلے بیان کیا گیا ہو اور کم اہمیت رکھنے والی باتوں کو بعد میں، نیز غیر ضروری باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔

فصاحت: عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ظاہر اور صاف ہونے کے ہیں۔ عربی زبان میں کہتے ہیں فَصَحَ الصبحُ = صبح ظاہر ہوئی۔ اَفْصَحَ الَامرُ = معاملہ واضح ہو گیا۔ افصح اللبنُ = دودھ بے جھاگ ہو گیا۔

علمائے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظ میں جو حروف آئیں ان میں تنافر نہ ہو، الفاظ نامانوس نہ ہوں، قواعدِ صرفی کے خلاف نہ ہو۔ علم بیان کی اصطلاح میں ایسا کلام جو مقام اور حال کے مطابق ہو۔ کلام بلیغ میں فصاحت کا ہونا لازمی ہے، لیکن فصاحت کے لیے بلاغت لازمی نہیں ہے۔ گویا فصاحت اور بلاغت کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے۔

سوال نمبر ۱:۔ بحر کی تعریف کیجیے:
سوال نمبر ۲:۔ ردیف کی تعریف کیجیے:
سوال نمبر ۳:۔

سبق نمبر ۲۴

بھانو بھکت اچاریہ: نیپال کے عظیم شاعر

بھانو بھکت اچاریہ نیپال کے مشہور شاعر، مترجم اور ادب کے مصلح تھے۔ انہیں نیپال کے "آدی کوی" (پہلے شاعر) کے طور پر جانا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے نیپالی ادب کو ایک منفرد پہچان دی اور عوامی زبان میں شاعری کو فروغ دیا۔ ان کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے نیپالی ثقافت، تاریخ اور زبان کو محفوظ کرنے اور آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

زندگی کا تعارف

بھانو بھکت اچاریہ 1814ء میں نیپال کے تنہو ضلع کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن ایک عام دیہاتی ماحول میں گزرا۔ ابتدائی تعلیم کے دوران ہی ان کے اندر مطالعے اور ادب سے محبت پیدا ہو گئی۔ ان کی شاعری کا انداز صاف اور عام فہم تھا، جو نیپالی عوام کی روزمرہ زندگی اور جذبات کی عکاسی کرتا تھا۔

ادبی کارنامے

بھانو بھکت کا سب سے بڑا کارنامہ ہندو مذہبی کتاب "رامائن" کا نیپالی زبان میں ترجمہ ہے۔ انہوں نے اس ترجمے کو شاعرانہ انداز میں لکھا تاکہ عام لوگ، جو سنسکرت نہیں جانتے تھے، رامائن کے پیغام کو سمجھ سکیں۔ ان کے اس ترجمے نے نیپالی زبان و ادب میں انقلاب پیدا کر دیا اور اسے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔

بھانو بھکت کی شاعری نہ صرف مذہبی و روحانی موضوعات پر مبنی تھی بلکہ انہوں نے سماجی مسائل اور انسانی اقدار کو بھی شاعری میں شامل کیا۔ ان کی نظمیں عوام کی زندگی کے قریب تھیں، اور انہوں نے لوگوں کو اپنی زبان اور ثقافت پر فخر کرنا سکھایا۔

سماجی خدمات

بھانو بھکت نے اپنی شاعری کے ذریعے نیپالی معاشرے میں اتحاد اور ہم آہنگی کا پیغام دیا۔ ان کی شاعری نے عوام کو تعلیم حاصل کرنے، اخلاقی اقدار اپنانے اور سماجی ذمہ داریوں کو نبھانے کی ترغیب دی۔

ورثہ اور یادگار

بھانو بھکت اچاریہ کی خدمات کو نیپال میں ہمیشہ یاد رکھا جاتا ہے۔ ان کے یوم پیدائش کو نیپال میں "بھانو جینتی" کے طور پر منایا جاتا ہے، جہاں ملک بھر میں ان کے اعزاز میں تقریبات منعقد ہوتی ہیں۔ ان کے نام پر مختلف تعلیمی ادارے اور سڑکیں بھی موجود ہیں۔

نتیجہ

بھانو بھکت اچاریہ ایک ایسے عظیم شاعر تھے جنہوں نے نیپالی ادب کو ایک نئی شناخت دی اور عوام کو اپنی زبان و ثقافت کے قریب لایا۔ ان کا کام نہ صرف ادب بلکہ سماجی ترقی کے لیے بھی مشعلِ راہ ہے۔ نیپالی قوم ان کی خدمات کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اور ان کی شاعری آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے۔

مشقی سوالات:

سوال نمبر ا:۔ بھانو بھکت اچاریہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں لکھیں۔

سوال نمبر ۲:۔ نیپال کے سب سے معروف اور قدیم ادیب بھانو بھکت اچاریہ نے نیپال کے سماج کو کیا پیغام دیا؟

سوال نمبر ۳:۔ دوستوں کی مدد سے نیپالی اور اردو زبان کے کچھ جدید شعراء کی فہرست تیار کریں۔